

# ماہنامہ حیات

بنارس

شمارہ ۱/	محرم الحرام ۱۴۳۰ھ	جنوری ۲۰۰۹ء	جلد ۲۷/
----------	-------------------	-------------	---------

مدیر	اس شمارہ میں
عبدالوہاب حجازی	۱- درس قرآن
پتہ	۲- درس حدیث
دارالتالیف والترجمہ	۳- افتتاحیہ
بی ۱۸/ جی، ریوڑی تالاب	۴- ذرائع ابلاغ پر ایک مفید کتاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰	۵- سال ہجری جدید استقبال و احتساب
بدل اشتراک	۶- مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ.....
سالانہ ۱۲۰/ روپے	۷- تقویم ہجری کا آغاز
فی پرچہ ۱۲/ روپے	۸- برائی کو دل میں بر جانے کی.....
○	۹- وضو کے احکام و مسائل.....
اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب	۱۰- مولانا ابوالخیر صاحب جھکاوی
ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم	۱۱- اخبار جامعہ
ہو چکی ہے۔	۱۲- باب الفتاویٰ

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

## کیا قیامت واقعی برحق ہے؟

عبداللہ سعود بن عبد الوحید

﴿وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقُّ هُوَ قُلُّ إِيَّيَّ وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقُّ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ﴾ (سورہ یونس: ۵۳)

اور وہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ (قیامت) واقعی برحق ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ جی ہاں میرے رب کی قسم یہ واقعی برحق ہے اور تم اللہ کو (قیامت قائم کرنے سے) عاجز نہیں کر سکتے۔

قرآن مجید میں اس آیت کریمہ کے علاوہ دو جگہ سورہ سبا آیت نمبر ۳ اور سورہ تغابن آیت نمبر ۷ میں بھی اللہ کی قسم کھا کر قیامت کے واقع ہونے کا اعلان کیا گیا ہے، جس طرح آج بہت سے لوگ قیامت کے تصور سے کورے ہیں اور روز قیامت پر یقین نہیں رکھتے، اسی طرح کفار مکہ بھی مذاقاً ایسا سوال کرتے تھے کہ کیا واقعی قیامت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے مذاق اور سوال کے جواب میں یہ آیت نازی فرمائی جس میں آپ کو ہدایت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر آپ کہہ دیجئے کہ قیامت کا واقع ہونا، اور اس روز جزا و سزا کا ہونا، جنت و جہنم کا ہونا سب برحق اور سچ ہیں اور اس کو قائم ہونے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔

قیامت کے واقع ہونے کی خبر کے لئے قرآن کی یہ دو ٹوک آیت ہے، جس میں صاف اور واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ قیامت کا واقع ہونا برحق ہے، جس طرح اللہ جل شانہ کی الوہیت، رسول کی رسالت برحق ہے اسی طرح سے قیامت کا واقع ہونا بھی برحق ہے۔

دنیا کی ہر چیز اللہ کے وجود کی نشانی ہے، دن رات، سورج چاند ستارے خشکی و پانی زندگی اور موت سب اللہ کے وجود اور اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، اور اسی اللہ کی قسم کھا کر قیامت کے واقع ہونے کو برحق کہا گیا ہے، جس دن سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے، کیا جس اللہ نے ہم کو پیدا کیا ہے دوبارہ نہیں اٹھا سکتا؟ (دیکھو سورہ اسراء: ۵۱)

ہم قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کرتے، اس میں کیا کیا بیان کیا گیا ہے، اس پر غور نہیں کرتے، اپنی زندگی اور معاملات کو اس کی روشنی میں نہیں ڈھالتے اور ایک ایسے ہولناک واقعہ سے بے خبر ہیں جو واقعہ حاقہ ہے، اور جس سے ہم بچ نہیں سکتے، جس طرح ہماری پیدائش اور موت برحق ہے اسی طرح جزا و سزا بھی برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دن کی رسوائی اور شرمندگی سے ہم کو بچائے اور اس دن کی کامیابی کے لئے نیک عمل کی توفیق بخشے، آمین۔

## تدفین کے بعد دعا کرنا

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن عثمان، قال: كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه، فقال: استغفروا لأخيكم، ثم سلوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسئل. رواه أبو داود. (مشكاة ج ۱، ص ۲۶)

قال الرحمانی: رواه أبو داود في الجنائز، وسكت عليه هو والمنذري، وقال العيزي: إسناده حسن.

وأخرجه أيضا الحاكم، وقال: صحيح. وأقره الذهبي. (مرعاة ج ۱، ص ۲۳۰)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو وہاں آپ (اور صحابہ کرامؓ) ٹھہرتے، اور آپ ارشاد فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے (رب سے) مغفرت طلب کرو، پھر اس کے لئے (منکر، نکیر کے سوال و جواب میں) ثبات واستقامت کی دعا کرو، اس لئے کہ ابھی یہ سوال کئے جائیں گے۔ (ابوداؤد، حدیث صحیح)

تشریح: حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا یہ طریقہ تھا کہ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس ٹھہرے رہتے اور آپ ﷺ مدفون کے لئے صحابہ کرام سے استغفار اور منکر، نکیر کے سوالات میں ثبات قلب و زبان کی دعا کرنے کا حکم دیتے، اور فرماتے ابھی اس میت سے سوالات کئے جائیں گے، گویا اس وقت وہ تمہاری دعاؤں کے بڑے محتاج ہیں۔

منکر، نکیر کے سوالات مختلف روایتوں میں مذکور ہیں، حضرت براء بن عازبؓ کی روایت کے الفاظ ہیں: يأتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له: من ربك؟ فيقول: ربي الله، فيقولان له: ما دينك؟ فيقول: ديني الاسلام، فيقولان: ما هذا الرجل الذي بعث فيكم؟ فيقول: هو رسول الله ﷺ. فيقولان له: وما يدريك؟ فيقول: قرأت كتاب الله فآمنت به وصدقت. فذلك قوله: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ — الآية﴾، إبراهيم: ۲۷ ﴿..... الحديث﴾. (رواه أحمد وأبو داود). قال البيهقي: صحيح الإسناد. (مرعاة ج ۱، ص ۲۲۸).

یعنی مؤمن انسان سے دونوں فرشتے ۴ سوالات کرتے ہیں (۱) تیرا رب کون ہے؟ مؤمن کا جواب ہوتا ہے میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ (۲) تیرا دین کیا ہے؟ جواب مسلم ہوتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ (۳) وہ انسان جو تم میں مبعوث کئے گئے تھے وہ کون ہیں؟ جواب ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ (۴) یہ سب باتیں تو نے کیسے جانیں؟ مؤمن جواب دیتا ہے میں نے کتاب اللہ (قرآن مجید) پڑھی ہے اور اس پر ایمان لایا ہوں اور اس کی تصدیق کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: یثبت الله الذين آمنوا — ابراهيم: ۲۷ ﴿یعنی ”ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی“﴾ (جو ناگڈھی)..... الحدیث (احمد وأبو داود، صحیح الاسناد)

رب العالمین! ہمیں زیادہ سے زیادہ میت کی تجہیز و تدفین میں شرکت کرنے، پھر دعا کر کے واپس ہونے کی توفیق مرحمت فرما، آمین۔ ☆

## افتتاحیہ

# نواب محمد صدیق حسن خاں بھوپالی کا ذوق شعرو سخن

(قسط: ۱)

(۱۲۴۸-۱۳۰۷ھ ————— ۱۸۳۲-۱۸۹۰ء)

نواب صاحب کا ذوق شعرو سخن موروثی اور فطری تھا، جوان کی تعلیم و تربیت کے دوران اور زندگی کے آنے والے عملی مراحل میں پروان چڑھتا اور تعمیر و تحسین اور اصلاح و تجدید کے پیراہن میں ظہور پذیر ہوتا رہا۔  
نواب صاحب کے والد علامہ اولاد حسن کے شعری پیکر میں دو مولفات موجود ہیں: (۱) راہ جنت: یہ کتاب فارسی نظم میں ہے اور چالیس منتخب حدیثوں کی شرح ہے (۲) راہ سنت: یہ کتاب اردو نظم میں ہے۔  
نواب صاحب کے بڑے بھائی سید احمد حسن عرشی عالم و فاضل ہونے کے ساتھ شاعر شیریں سخن بھی تھے، انہیں مرزا غالب دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا، وہ کہتے ہیں:

مغلوب ہیں سب اہل جہاں میرے سخن سے  
ہوں زلہ ربا غالب اعجاز رقم کا

عرشی صاحب عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں بڑے عمدہ اشعار کہتے تھے، نواب صاحب نے ان کے منشور و منظوم کلام کو ان کی وفات کے بعد مرتب کیا تھا، سیرت والا جاہی میں، عربی، فارسی اور اردو قصائد و منظومات کے تقریباً ساڑھے تین سو اشعار بطور نمونہ منقول ہیں، جنہیں دیکھ کر ان کی قدرت کلام کا اندازہ ہوتا ہے، یہاں ہر زبان سے ایک ایک شعر بطور نمونہ نقل کیا جاتا ہے:

والزم سنۃ المختار الزم  
وعاد عقائد الاشعار عاد

گل چہ گلبانگِ ثنائش در تبسم می زند  
بلبل از ذکرش چہ آتش در فغاں انداختہ



دل کو آئینہ بنایا ہم نے عشق یار سے  
ہم بھی اب شایانِ اورنگِ سکندر ہو گئے  
عرشی صاحب تقریباً اکتیس سال کی جواں عمری میں انتقال کر گئے، برادرِ خرد نواب صاحب کو ان کے انتقال کی خبر  
بھوپال میں ملی تو بڑے رنجیدہ ہوئے، ان کی ایک فارسی تحریر کے اس شعر سے اس صدمہ کا اظہار ہوتا ہے:

مسافرے نرسید از عدم کز و پرسم  
کہ پیر چرخ کجا بردنو جوان مرا  
نواب صاحب اپنے مولد بانس بریلی کو یاد کر کے یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

بلاد بھاحل الزمان تماثلی  
و اول ارض مسّ جلدی ترا بھا

نواب صاحب ابتدائی عمر میں اپنے شوق مطالعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ہر کتاب کے دیکھنے اور سمجھنے کا شوق دامن گیر  
خاطر رہا کرتا تھا، کوئی کتاب، کوئی قصہ، کوئی داستان خواہ نظم میں ہو یا نثر میں، ایسی نہیں بچی جس کا مطالعہ ایک بار اول سے آخر  
تک نہ کیا ہو، یہاں تک کہ فسانہ عجائب، مثنوی میر تقی، مثنوی غنیمت، یوسف زلیخا، سکندر نامہ، توقیعات سہ نثر ظہوری، بدر چاچ  
اور تمام دواوین فارسی اور اردو جو مشہور و معروف ہیں ان میں سے ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو نظر سے نہ گذری ہو، سب کتابوں  
سے بحکم: خذ ما صفا ودع ما کدر، اچھے اچھے فقرے اور جملے یاد رہ گئے۔

سن ۱۸۵۲ء میں نواب صاحب نے حصول تعلیم کے لئے جب دلی کا سفر کیا تو نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے دولت کدہ پر  
آپ نے تقریباً دو سال رہ کر بغداد ہند دلی کے مختلف علوم و فنون کے لعل و گہر چنے، نواب مصطفیٰ خاں فارسی اور اردو کے بہترین  
شاعر تھے، اردو میں شیفتہ اور فارسی میں ان کا تخلص حسرتی تھا، ان کی صحبت روز و شب سے نواب صدیق حسن خاں کے ذوق  
شعر و سخن کو بہت نمولی اور آپ کے استاد خاص مفتی محمد صدر الدین خاں آزرہ صدر الصدور دہلی کے اعلیٰ ذوق شعر و شاعری کا  
اعتراف سب کو ہے، نواب صاحب تمام علوم میں ان کی مہارت تامہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

”صاحب وجاہت و ریاست بود، نزد امراء و علماء و حکام و رعایا شہر جز بادشاہ دہلی پہنچ کسی از اعیان واکا بر بلدہ خاص  
ونواحی از رؤساء نہ بود کہ بمکان او نیامدے، طلبہ علم برائے اخذ علم، و اہل دنیا برائے مشاورت معاملات، و منشیائ برائے  
اصلاح انشاء و شعراء برائے مشاعرہ“۔ (اتحاف النبلاء ص ۲۶۰)

یعنی وجاہت و ریاست کے مالک تھے، بادشاہ دہلی کو چھوڑ کر دلی اور گرد و نواح کے تمام اعیان واکا بر و رؤساء ان کے مکان

پر آتے تھے، طلباء طلب علم کے لئے، اہل دنیا مشورہ معاملات کے لئے، منشی اصلاح انشاء کے لئے، اور شعراء مشاعرہ کے لئے۔ نواب صاحب کو دلی کے دو سالہ دور قیام میں بڑے بڑے اکابر ملت سے ملاقات و صحبت کا اتفاق ہوا، جن میں بہادر شاہ ظفر، شاہزادگان، بڑے بڑے نوابان و علماء کبار جن میں سید نذیر حسین محدث دہلوی بھی ہیں، شعراء میں مرزا غالب، ذوق دہلوی، امام بخش صہبائی وغیرہ سے ذوق شعر و سخن کو پروان چڑھانے کے مواقع میسر آئے، سیرت والا جاہی کے مصنف لکھتے ہیں: ”زمانہ آغاز ملاقات میں والا جاہ ایک بار مرزا غالب مرحوم کے دولت خانہ پر خانہ بے تکلف سمجھ کر بلا اطلاع سابق یکا یک پہنچ گئے، اس وقت یاران رنگین طبع کی محفل گرم تھی، مرزا صاحب نے ان کو دیکھ کر بے ساختہ یارانہ لہجے میں کہا:

بیابرا در، آؤرے بھائی

اس وقت آپ کی کیا دعوت کروں، پہلے سے مجھ کو آپ کے آنے کا علم بھی نہ تھا، خیر بیٹھے میں ضیافت طبع کئے دیتا ہوں، یہ کہہ کر مرزا صاحب نے اپنی تازہ غزل سنائی جو انہیں دنوں میں شاہی دربار کی فرمائش سے لکھی تھی، اس کا مطلع یہ ہے:

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

والا جاہ اکثر اوقات کہا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کا وہ دل آویز لب و لہجہ، اور ان کے فصیح و بلیغ اشعار کی حسن ترتیب و ادا، اور لطائف شعر یہ اور جزالت معانی کی تاثیر کچھ ایسی دل میں پیوست ہو گئی ہے کہ جب کبھی اس کی یاد آ جاتی ہے تو دل میں ایک عالم وجد و حال پیدا ہو جاتا ہے، اور ہر وقت تازہ بہ تازہ، نو بنوع لطف حاصل ہوتا ہے۔ تازہ تر از تازہ ترے می رسد۔ (سیرت والا جاہی ۱۶/۳)

سن ۱۸۵۷ء کے غدر میں نواب صاحب قنوج میں تھے، مصائب و آلام کے جھونکے آپ پر اور آپ کے خاندان پر بھی آئے، اسی دوران ایک روز دریا میں غسل کر رہے تھے، آپ کی سرخ و سفید رنگت سے سپاہیوں کو انگریز کاشبہ ہوا اور بندوق سے فائر کرنا چاہا، قنوج میں کاشت کاری کئے ہوئے ایک دیہاتی لکھیا نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر بولا: ایسا مت کرنا، میں انہیں پہچانتا ہوں، یہ تو بڑے حضرت صاحب کے صاحب زادے ہیں، نواب صاحب نے جان بچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا، اور اسی عالم اضطراب میں حضرت محمد ﷺ کی شان میں ایک نعتیہ قصیدہ بزبان عربی کہا جس کا عنوان ”الکلمۃ العنبریۃ فی مدح خیر البریۃ“ ہے، جو ستر اشعار پر مشتمل ہے، اس میں جناب رسالت مآب کے خواب میں دیدار کی نعمت سے مشرف ہونے کا ذکر نواب صاحب نے جس والہانہ انداز میں، کمال پاکیزگی، محبت اور احترام و ادب کے ساتھ نہایت فصیح و بلیغ عربی میں کیا ہے وہ ان کے شعر و سخن سے طبعی و فطری مناسبت کی بین دلیل ہے، چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:

اخترت بین أَمَاکن الغبراء      دار الکرامة بقعة الزوراء  
حتی لقیتم جماله بین الکری      وظفرت بالنبراس فی الظلماء  
ووجدت تعبیرا لهذا کاملا      نیلُ المنی من طابة وحراء  
یا لیتنی الفیت یوما بُلغة      رَحَلت نحو الحضرة العلیاء

نواب صاحب نے اس خواب کی تعبیر زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہونے سے کی ہے، اور اسے بڑی بشارت سمجھتے ہوئے تیرہ اشعار پر مشتمل ایک اور عربی نظم کہی ہے، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

رأیت رسول الله فی النوم لیلة      وقد کنت مشتاقا الیه متیمما  
وناولنی رمانتین برأفة      وأولی نصیبا من عطاء متمما  
سأتی الی زوراء طیبة ثاویا      وآوی الی بطحاء مکه محرما  
اقبل حجرا أسود متواضعا      واشرب ماء صافیا کان زمما

سن ۱۸۶۹ء میں نواب صاحب کا یہ خواب پورا بھی ہوا، مکہ میں داخل ہوئے تو بے ساختہ زبان سے نکلا:

أبطحاء مکه هذا الذی      أراه عیاناً، وهذا أنا

آغاز میں نواب صاحب کا تخلص روٹی تھا، نواب شاہ جہاں بیگم والیہ ریاست بھوپال سے عقد کے بعد بیگم صاحبہ کے اصرار سے نواب تخلص رکھا، پھر بعد میں توفیق تخلص اختیار کیا، نواب صاحب کے چھوٹے صاحب زادے نواب علی حسن خاں سیرت والا جاہی میں ان کے ذوق شعر و سخن کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

”والا جاہی کی طبیعت جس طرح ذوق علم و معرفت اور محبت کتاب و سنت کے آب و گل سے سرشت ہوئی تھی، اسی قدر ان کا خمیر طبیعت چاشنی عشق شعر و سخن اور لذت سوز و گداز سے خم ہوا تھا، اور موزونیت بدو شعور سے وہ اپنے ساتھ لائے تھے، ان کے ذرہ علم و فضل و کمال کے سامنے فن شعر و سخن اگرچہ حقیر ترین اور ادنیٰ و انقصیٰ درجہ رکھتا تھا اور وہ اکثر اس سے محترز رہا کرتے تھا، مگر مذاق شاعری ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے تھا، ہزاروں اشعار عربی و فارسی وارد کے ان کے نوک زبان پر رہتے تھے، ان کے شعر و سخن کا ذوق خود ان کی تالیفات سے صاف واضح و عیاں ہوتا ہے، ان کے مؤلفات میں کوئی صفحہ کم تر ایسا پایا جائے گا جو اشعار سے خالی ہو۔ (سیرت والا جاہی ۱۸۳/۴)

طبعی ذوق کے علاوہ دہلی کے دو سالہ قیام اور مشاہیر شعراء کی صحبت اور مشاعروں کی شرکت سے نواب صاحب کے ذوق شعری میں تازہ روح بیدار ہوئی اور وہ انواع و اقسام معانی، سخن فہمی اور سخن سنجی کے جو ہر شناس ہو گئے، نواب صاحب

کے بڑے صاحب زادے نواب نور الحسن خاں ”تذکرہ طور کلیم“ میں لکھتے ہیں:  
 ”ہر چند کہ سخن وراں بسیار بودہ باشند، اما سخن فہمی بایں منزلت شاید کہ چشم روزگار نہ دیدہ باشند۔“  
 یعنی اگرچہ سخن ورتو بہت سے رہے ہوں گے مگر اس درجہ کی سخن فہمی شاید چشم فلک نے نہ دیکھی ہوگی۔  
 نواب علی حسن لکھتے ہیں:

”والا جاہ کو چونکہ ہم لوگوں کے دینی تعلیم کے ساتھ ذہنی اور دماغی تربیت کا بھی بہت خیال رہا کرتا تھا، اور آبائی وطبعی مادہ موزونیت کے لحاظ سے وہ ہم لوگوں میں ابداع مضامین، جدت معانی، نزاکت خیال، حسن بندش، لطائف بیان اور ادبی قابلیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، اس لئے انہوں نے ایک بزم مشاعرہ قائم کی تھی، تاکہ ہم لوگوں کے دل سے رفع حجاب ہو اور سلیقہ سخن فہمی سخن سنجی حاصل ہو، یہ بزم مشاعرہ ہر ماہ کے اختتام پر ایک بار محل سرکاری پر منعقد ہوا کرتی تھی اور اس میں شعرائے پایہ تخت اپنے فارسی واردو کے تازہ افکار اور دلکش اشعار و غزلیات سے سامعین کو مسرور و شاد کام کر کے خراج تحسین و آفریں وصول کیا کرتے تھے، ہم لوگ بھی استفادۂ غزلیں پیش کر کے حوصلہ افزائی اور داد سخن کے منتظر و مشتاق رہا کرتے تھے، اور والا جاہ ہم لوگوں کی دل جوئی اور ہمت بڑھانے کے لئے بعض بعض شعر پر مسکرا کر بہ نظر استحسان و پسندیدگی سر ہلادیا کرتے تھے، اور خود بھی اپنی غزل سے بزم مشاعرہ کی رونق دو بالا کر دیا کرتے تھے، جو سخن سنج مشاہیر ریاست شریک مشاعرہ ہوا کرتے تھے، یا جو لوگ وقتاً فوقتاً اپنی غزلیں لکھ کر پیش کر دیا کرتے تھے، یا جن لوگوں کو ایک دو بار مشاعرہ میں شرکت کا اتفاق ہوا وہ یہ تھے: افتخار الشعراء حافظ خاں محمد خاں شہیر مرحوم، منشی صابر حسین صبا سہوانی، منشی علی احمد، استاذنا المحترم مولوی محمد احسن بلگرامی، مولانا محمد عباس شروانی، مولوی ابو حامد محمد یوسف علی صاحب گویا مولوی، حکیم مولوی سید اعظم حسین سندیلوی، منشی کج منوہر لال صاحب، مولوی سید جمیل احمد صاحب جمیل سہوانی، منشی عبدالعزیز صاحب اعجاز، منشی محمد جعفر صاحب زمہری، مرزا کمال الدین محمد تقی سنجرفروینی، مرزا شاعلی دہلوی برادر نواب خاں صاحب داغ دہلوی، منشی ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی، منشی امجد علی یصاحب اشہری، منشی ارشاد احمد صاحب میکش، مولوی محمد علاء الدین صاحب بیکل، برادر معظم نواب سید نور الحسن خاں صاحب، برادر مکرم ممتاز الدولہ میر عبدالحی خاں صاحب ممتاز، راقم الحروف، دو ایک مرتبہ نواب مولوی احمد رضا خاں صاحب سابق وزیر ریاست بھوپال بھی شریک بزم مشاعرہ رہے، جب بزم مشاعرہ شروع ہوتی تھی تو منشی امجد علی صاحب اشہری والا جاہ کی غزل اور ہم دونوں بھائیوں کی غزلیں پڑھ کر مستمعین کو سنایا کرتے تھے، اس طرح پر چند سال کے بعد والا جاہ مرحوم کا ایک مختصر دیوان اردو اور فارسی غزلیات کا مرتب ہو گیا جو غرہ صفر سن ۱۳۰۷ھ کو ”گل رعنا“ کے نام سے چھپ کر شائع ہوا۔

(جاری)

(سیرت والا جاہی ۱۹۴۲ء، ۱۹۵۵ء)



## ذرائع ابلاغ پر ایک مفید کتاب

کتاب: میڈیا: روپ اور بہروپ  
مصنف: سہیل انجم  
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی  
سن اشاعت اول: ۲۰۰۷ء

دہلی کے ایک سفر میں محترم سہیل انجم صاحب نے مجھے اپنی کتاب ”میڈیا: روپ اور بہروپ“ عنایت کی، درمیانی سائز کے 224 صفحات کی اس کتاب میں مصنف نے بڑی خوبی کے ساتھ میڈیا اور اس سے متعلق مسائل پر روشنی ڈالی ہے، اردو زبان میں میڈیا کے موضوع پر بعض کتابیں ضرور موجود ہیں، پھر بھی اس زبان کے قارئین کو مزید کا اشتیاق رہتا ہے، زیر نظر کتاب میں مصنف نے اس شوق کی تکمیل کی ہے، اور جدید و تازہ معلومات پیش کر کے قاری کو متاثر کیا ہے۔ بنیادی طور پر خاکسار نے جو تعلیم حاصل کی ہے اس میں میڈیا ایک مضمون کی حیثیت سے شامل نہ تھا، لیکن قاہرہ ریڈیو پر اردو پروگرام میں مترجم و مذلیع (اناؤنسر) کی حیثیت سے کام کا جو تجربہ تھا اس کی بنیاد پر میں نے سوچا کہ سہیل صاحب کی کتاب پر اپنا تاثر پیش کروں، اور انہوں نے ایک مرکز توجہ موضوع پر جو عمدہ کاوش کی ہے اس سے ماہنامہ محدث کے قارئین کو آشنا کراؤں، ویسے تعارفی سطریں کتاب کی مکمل تصویر پیش نہیں کر سکتیں، کتابوں کا، اور بالخصوص اردو کتابوں کا، یہ المیہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہر شخص تک نہیں پہنچ پاتیں، اگر کتابیں قارئین تک پہنچیں تو اس سے ان کی معلومات میں اضافہ ہوگا، اور مصنف و ناشر کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی۔ اس منظر نامہ کو سامنے رکھتے ہوئے بھی میری تمنا ہے کہ انجم صاحب کی یہ کتاب ہر اس اردو قاری کے ہاتھ میں جائے جو میڈیا سے دلچسپی رکھتا ہے، اور اس کی کارکردگی پر سوچتا رہتا ہے۔

”میڈیا“ اردو زبان میں رائج لفظ بن چکا ہے، اردو میں ”ذرائع ابلاغ“ کا لفظ اس کی ترجمانی کرتا ہے، عربی والے ”وسائل الاعلام“ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اسلام ایک دعوتی مذہب ہے اس نے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے لئے ”دعوت“، ”تبلیغ“، اور ”بلاغ“ وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے اپنے عہد کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی تھی، آپ کے اصحاب اور امتیوں نے اس سلسلہ کو آج تک قائم رکھا ہے، چونکہ اشاعت اسلام میں تبلیغ کا کردار بنیادی ہے، اس لئے اسلام نے اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اہم اور مفید اصول و ضوابط وضع کئے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں مصنف محترم نے موجودہ میڈیا میں جن نقائص کی نشان دہی کی ہے، یا ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اس کی ناکامی پر افسوس کا جو اظہار کیا ہے، ان تمام

میں اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو اسلامی اصولوں سے ہٹنا ہی اصل خرابی ہے، میں یہ بات میڈیا کو ”اسلامیانے“ کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ کسی بات کو دوسروں تک پہنچانے، اپنے نقطہ نظر سے انہیں مطمئن کرنے اور کسی نظام و ضابطہ کی حمایت یا مخالفت کرنے میں معقول روش اختیار کرنا ضروری ہے، اگر ہر آدمی کو جو وہ چاہے کہنے کی اجازت ہو، اور جس طرح چاہے اسے تعبیر و بیان کا موقع دیا جائے تو خرابیوں کا ایسا سیلاب آجائے گا جس کی رو میں ہر ایک بہہ جائے گا۔ میں نے یہاں جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات اس لئے ذکر کر دی ہے کہ انجم صاحب کی کتاب میں اکثر مقامات پر یہ بیان موجود ہے کہ آج کا میڈیا اپنے فرائض کو ادا کرنے میں ناکام ہے، ظاہر ہے اس اہم خرابی کا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا، اسی کی کھلے دل سے نشاندہی ہو جائے، اور اسے مان لیا جائے تو شاید بہت بڑی مشکل حل ہو جائے گی۔ ان سطور کے بعد اب ایک نظر کتاب کے مشتملات پر ڈالنا مناسب ہوگا۔

کتاب کو مصنف نے چار اہم حصوں میں تقسیم کیا ہے: اول ابتدائیہ، دوم میڈیا اپنے آئینے میں، سوم میڈیا کی تکنیکی شناخت اور رسائی، چہارم اردو منظر نامہ۔ ہر حصہ کے ذیل میں جو عناوین مذکور ہیں ان کے ذریعہ تقریباً تمام جزئیات کا احاطہ ہو گیا ہے، اور اس طرح موجودہ دور کے انسان کے ذہن میں میڈیا سے متعلق جو سوال بھی آسکتا ہے اس کا جواب بڑی حد تک کتاب میں موجود ہے۔

پیش لفظ میں مصنف نے لکھا ہے کہ: ”گزشتہ دو دہائیوں میں ہندوستان نے جن شعبوں میں سب سے زیادہ ترقی کی ہے ان میں میڈیا کا شعبہ بھی ہے، اس شعبہ میں جو انقلاب آیا ہے وہ بہت خوش آئند ہے، اور اس نے ہندوستان کو عالمی سطح پر ایک اہم مقام دلایا ہے۔“

مصنف کے ان ابتدائی جملوں میں ایک حقیقت کا اعتراف ہے، اور ساتھ ہی بین السطور میں یہ تمنا بھی پوشیدہ ہے کہ میڈیا کے شعبہ میں بام ترقی پر پہنچنے والا یہ عظیم ملک اس سلسلہ کی اپنی ذمہ داریاں بھی ادا کرتا ہے تو اس کی ترقی کی آب و تاب میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا!

پیش لفظ میں مصنف نے کتاب کے موضوع اور اس سلسلہ میں اپنی کاوش کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ: ”میں نے اس کتاب میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا اور بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کے مختلف پہلوؤں کا گہرائی سے جائزہ لیا ہے، اور انتہائی غیر جانبدارانہ انداز میں میڈیا کے کردار کو پرکھنے کی کوشش کی ہے۔“

کتاب کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص تصدیق کرے گا کہ مصنف کے جائزے میں گہرائی ہے، اور انہوں نے اپنی غیر جانبدارانہ حیثیت کو برقرار رکھا ہے، اور موضوع کے لحاظ سے اس کی اہمیت ہے، کیونکہ مصنف میڈیا کے سلسلہ میں اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ جانبدار بن گیا ہے، جبکہ اس کا فرض غیر جانبداری ہے!

پرانے مضامین اگر کتابی صورت میں شائع کر دیئے جائیں تو یہ عیب نہیں، لیکن مصنف اظہار حقیقت کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ: ”ان میں سے چند مضامین بعض سیمیناروں میں پڑھے گئے ہیں، لیکن ۹۰ فیصد مضامین غیر مطبوعہ ہیں، اور جن کو

کہیں پڑھا نہیں گیا ہے۔“

دوسرے حصہ میں ایک عنوان ”میڈیا اور ہمارا معاشرہ“ ہے، اس عنوان کے تحت مصنف نے موجودہ دور کے انقلاب اور ذرائع ابلاغ کی وسعت و تاثیر کی جانب اشارہ کیا ہے، اور بعض مضر پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے، لکھتے ہیں: ”لیکن یہاں ایک لمحے کے لئے بٹھہر کر ہم ایک بات اور دیکھتے چلیں کہ آج جہاں ذرائع ابلاغ ہماری زندگی کے تمام تر شعبوں اور پہلوؤں پر اثر انداز ہو رہے ہیں وہیں کوئی ایسا بھی ہے جو ذرائع ابلاغ پر اثر انداز ہو رہا ہے، جی ہاں، اور وہ ہے آج کا بازار، بازار نے ان ذرائع کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا ہے، اور یہ گرفت جتنی سخت ہوتی جا رہی ہے، یہ ذرائع اتنی ہی بلند آواز میں بازار کا پروپیگنڈا کر رہے ہیں، اور ہم یعنی انسان بھی اس منڈی کے تابع مہمل بن کر رہ گئے ہیں۔“

اسی حصہ میں ایک عنوان ”نیشنل میڈیا اور مسلم مسائل“ کا ہے، قومی ذرائع ابلاغ کی ناہمواری اسی بحث میں سمٹ کر آگئی ہے، ملک کی تقسیم کے بعد جو صورت حال سامنے آئی وہ بھید افسوسناک ہے، اتنا بڑا ملک اور ترقی کے غیر معمولی وسائل پھر بھی عوام میں جو سکون و راحت ہونا چاہئے وہ موجود نہیں۔ اس سوال کا جواب بھید مشکل ہے کہ ”قصور کس کا ہے؟“، ہر شخص اپنا دامن بچا لیتا ہے، اور خود کو راست روی کا نمائندہ مانتا ہے، مگر حقیقت بین نگاہیں دیکھتی ہیں کہ اس قدر عظیم ملک گونا گوں مسائل میں گھرا رہتا ہے، اور عوام کے اندر اعتماد کا فقدان بڑھتا جا رہا ہے، بات صرف مسلم اقلیت کی نہیں، دوسرے شہریوں کا بھی جائزہ لیا جائے تو مایوسی ہی ہاتھ لگتی ہے۔ ملک کی اکثریتی آبادی اور سب سے بڑی اقلیت مسلمان دونوں سے متعلق مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے، انگریزی عہد یقیناً برا تھا، لیکن اگر آزادی کے بعد بھی فکرو عمل کی ناہمواری باقی رہ جائے تو ہم کس چیز پر فخر کریں گے؟

سہیل انجم صاحب نے مذکورہ عنوان پر احتیاط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، لیکن میڈیا کی جانبداری اور غلط روی نے انہیں مجبور کیا ہے کہ بعض دل خراش واقعات سامنے لائیں، اور ان کی روشنی میں ذمہ داروں کے کردار کا جائزہ لیں۔ ہندوستانی قومیت کی تشکیل کے عناصر کو متعین کرنے میں شاید ہم سے بنیادی غلطی ہوئی ہے، اسی لئے ہندوستانی عوام کے اندر الفت و یگانگت کے جذبات مفقود ہو گئے ہیں، اور اب ہم نفاق و ظاہر داری کی راہ پر چل پڑے ہیں!

انسانی معاشرہ کا سب سے بڑا المیہ مختلف خود ساختہ بنیادوں پر اس کی تقسیم ہے، ہم نے ہر قدم پر اور بغیر کسی دباؤ کے تقسیم کے محرکات کی حوصلہ افزائی کی ہے، اور باہمی اعتماد و الفت سے جو گتھی سلجھ سکتی تھی اسے مزید الجھا دیا ہے۔ مصنف کے اس بے لاگ تبصرہ پر غور کیجئے:

”یہ میڈیا کی بے ایمانی نہیں تو کیا ہے کہ شمال مشرق میں ہونے والی دہشت گردی اور بہار، منی پور اور آسام میں دہشت گردیوں کی سرگرمیوں پر ہندو دہشت گردی کا لیبل نہیں لگایا جاتا، لیکن جہاں کسی واقعہ میں کوئی مسلمان ملوث ہوا فوراً اسلامی دہشت گردی کا راگ الاپا جانے لگتا ہے۔“

درس گاہوں اور عبادت گاہوں کو بھی آج کی دنیا نے ایک مسئلہ بنا لیا ہے، عبادت گاہوں میں آدمی کی فکر و کردار میں



نکھار آتا ہے، اور آخرت کے حساب و کتاب سے ڈر کر اس کے عمل میں ہمواری پیدا ہوتی ہے، اسی طرح درس گاہوں میں انسان کو علم و عمل سے آراستہ کیا جاتا ہے، اسی بنا پر صحیح طور پر کہا جاتا ہے کہ مدارس انسان سازی کے کارخانے ہیں، لیکن افسوس کہ ہم نے مذکورہ دونوں مقامات سے کسی طرح کا فائدہ حاصل کرنے کے بجائے انہیں اپنے لئے درد سر بنا لیا ہے، مصنف کی اس عبارت پر غور فرمائیے:

”مدارس و مساجد کے تعلق سے قومی میڈیا کا رویہ بہت ہی خطرناک اور تشویش انگیز ہے، ہند نیپال اور ہند بنگلہ دیش سرحد پر واقع مدارس و مساجد کو ملکی سلامتی کے لئے خطرہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، اور میڈیا اس کو بری طرح اچھال کر ان کی شبیہ خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

عربی کا ایک معروف جملہ ہے کہ ”الانسان عدو لما جہل“ یعنی انسان جو نہیں جانتا اس کا دشمن ہوتا ہے۔ کچھ اسی طرح کی صورت حال ملک میں مسلم قوم کے تعلق سے ہے، لگ بھگ چودہ صدی گزر چکی، ملک کے کسی نہ کسی حصہ میں اسلام اور مسلمانوں کا وجود رہا ہے، آج کا دور تو سروے اور شماریات کا دور ہے، پھر بھی اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ابتدائی قسم کی معلومات بھی برادران وطن بلکہ اسلام پر لکھنے والوں کو نہیں ہیں، اور وہ اس دین کے تعلق سے سنی سنائی باتوں سے ”کام چلا لیتے“ ہیں۔ بنارس کی قابل ذکر تعلیم گاہ ”سمپورنا نند سنسکرت یونیورسٹی“ میں ایک مرتبہ خاکسار کو لیکچر کے لئے بلایا گیا تھا، اور کہا گیا کہ اسلام کی بنیادی باتوں کا تعارف کرانا ہے، میں نے اختصار سے ارکان خمسہ کا تعارف کر دیا، تمام سامعین حیرت میں تھے کہ کیا اسلام اس طرح کی عمدہ تعلیمات والا مذہب ہے! ستائش کے ماحول سے ہٹ کر ایک خاتون کا سوال تھا کہ: یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ان پانچ باتوں کو مانے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا؟ اس خاتون نے معاملہ کو اختیاری سمجھا، اور اسی لئے آگے کہا کہ ہمارے پڑوس میں تو فلاں صاحب مسلمان ہیں، اور روزہ نہیں رکھتے!

عوامی زندگی میں اترنے سے اس طرح کی بے شمار مثالیں ملیں گی، ہمارا میڈیا بھی لاعلمی کے اس مرض کا شکار ہے، مصنف لکھتے ہیں:

”دراصل قومی اخبارات مسلمانوں کے معاملات سے بہت زیادہ واقفیت نہیں رکھتے، وہ سنی سنائی باتوں کو بغیر چھان بین اور بغیر کسی ثبوت کے جوں کا توں پیش کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ ایک اخبار نے ہند نیپال سرحد پر مدرسوں کا جائزہ لیتے ہوئے بالکل سرحد سے متصل جھنڈا نگر کے مدرسے کو بھی جو کہ نیپال میں واقع ہے، اس فہرست میں شامل کیا، اور دہشت گردی پھیلانے والوں میں اس مدرسہ کے بانی مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری کا بھی نام پیش کیا، اور واقعہ یہ ہے کہ مولانا جھنڈا نگری رپورٹ کی اشاعت سے کئی سال قبل انتقال کر چکے ہیں۔“

مصنف نے اس طرح کی ناواقفیت کا سبب معلومات کی سطحیت اور مسلم دشمن ذہنیت کو قرار دیا ہے۔

”حدیث دیگران“ کے ذریعہ اگر کسی حقیقت کا اعتراف ہو تو اس کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے، ہمارے ملک میں عدل



ومساوات اور اخلاق و کردار سے متعلق ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں غیر مسلم حضرات نے مسلمانوں کی حمایت میں لب کشائی کی ہے، اس طرح کی شہادتوں کا اثر ہو یا نہ ہو لیکن تاریخ کے اوراق اس نوعیت کے بیانات کو قلمبند کر لیتے ہیں، اور پھر جب آئندہ نسلیں آئیں گی تو ان اوراق کے اندر اپنے اسلاف کا چہرہ دیکھیں گی!

سہیل صاحب نے اس طرح کی متعدد شہادتیں جمع کی ہیں، اور یہ ان کی کتاب کی خوبی ہے کہ اہل انصاف کے بیانات اس کے حق میں ہیں، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”ہندی کے معروف صحافی اور نیوز چینل ”آج تک“ کے اس وقت کے نیوز ریڈر اور ایڈیٹر آنجنائی ایس پی سنگھ نے بھی منڈل کمیشن کے نفاذ سے لیکر بابر مسجد انہدام اور اس کے بعد ہونے والے فسادات پر کھل کر روشنی ڈالی تھی، انہوں نے بہت ہی واضح گاف انداز میں کہا تھا کہ بابر مسجد کے انہدام اور فرقہ پرستی کے فروغ میں قومی اخبارات بھی برابر کے شریک ہیں۔“ (ص ۴۶)

مصنف نے ”دہشت گردی، مدارس اور میڈیا“ صفحات (54-66) کے زیر عنوان عمدہ بحث کی ہے، اور تصویر کے دونوں رخ کو سامنے کیا ہے، پہلے انہوں نے مدارس کے خلاف لکھنے والوں کے اقتباسات پیش کئے ہیں، اور دکھایا ہے کہ ملک کی اسلامی تعلیم گاہوں کے بارے میں بعض اخبار نویسوں کے خیالات کتنے زہریلے ہیں، پھر ان مصنف مزاج صحافیوں کی تحریریں پیش کی ہیں جو تعصب و جانبداری کے مرض سے بری ہیں، یہ بحث دل چسپ ہے، دونوں طرح کے خیالات پڑھ کر انسان کو تسلی ہو جاتی ہے کہ دنیا میں ابھی انصاف اور اس کے حمایتی موجود ہیں، یقیناً جانے دنیا اگر ایسے لوگوں سے خالی ہو جائے گی تو آمریت پسندوں کا راج ہوگا، اور مظلوموں کی آپہن بھی سننے والا کوئی نہ ہوگا!

مدارس کے خلاف زہر افشانی کرنے والوں کا جواب دینے والوں میں ایک نام (رویندر پنڈیا) کا ہے، یہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ”مغربی میڈیا کے پروپیگنڈے کے نتیجے میں بیشتر غیر مسلموں کی یہ عام رائے بن گئی ہے کہ مدرسوں کا دہشت گردی سے گہرا تعلق ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مدرسے مذہبی تعلیم دیتے ہیں، اگر کہیں ہتھیاروں کی تعلیم دی جاتی ہے تو وہ ادارے سب کچھ ہو سکتے ہیں مدرسے نہیں ہو سکتے۔“

سہیل انجم مذکورہ اقتباس نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”رویندر پنڈیا سوال کرتے ہیں کہ دہشت گرد تو ریل گاڑی، ہوٹل، سرکاری دفتر، فوج، پولیس، ہوائی جہاز اور تقریباً ہر ممکنہ جگہ پر پکڑے گئے ہیں تو صرف مدرسوں کو ہی کیوں قصور وار بتایا جاتا ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ ہمارا میڈیا بھی مغربی میڈیا کے پرچار میں سوچے سمجھے شریک ہو گیا ہے۔ انہوں نے متنبہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مدرسوں کو ہندوستانی تہذیب کی روایات کے مطابق مسلم سماج کے مذہبی دستور کی حیثیت میں قبول کئے جانے کی ضرورت ہے، ساتھ ہی مغربی میڈیا کب اور کہاں کس مقصد سے کیا پھیلاتا ہے اس کے پس پردہ شرارتوں کو بھی سمجھتے رہنے کی ضرورت ہے۔“ (ص ۶۵)

صحافت تجارت بن گئی ہے تو ہر وہ چیز روا اور جائز ہو گئی جو تجارتی مفادات کی کسوٹی پر کھری اترتی ہو۔ (ص ۸۹)

ہندوستان کثیر المذہب اور کثیر الاصلہ ملک ہے، یہاں کی قومی و حکومتی زبان ہندی اور اعلیٰ طبقہ کی زبان انگریزی ہے، ذرائع ابلاغ سے متعلق گفتگو میں ہر زبان کے میڈیا کی بات آئے گی، سہیل انجم نے ہندی و انگریزی پریس پر گفتگو کی ہے، اور ان کی پہچان کی جانب اشارہ کیا ہے، ہندی پریس کے مقابلہ میں انگریزی پریس میں قدرے معاملہ فہمی و وسعت قلبی کا ذکر کیا ہے، اور ہندی پریس کی تنگ نظری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حالانکہ ہندی پریس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہندی صرف ہندوؤں کی زبان نہیں ہے، ہندی اخبارات ہندو بھی پڑھتے ہیں، مسلمان بھی پڑھتے ہیں، سکھ بھی پڑھتے ہیں، عیسائی بھی پڑھتے ہیں اور دلت بھی پڑھتے ہیں، لیکن ہندی پریس عموماً ہندوؤں کے، اور وہ بھی تنگ نظر ہندوؤں کے نقطہ نظر سے سوچتا ہے، جبکہ زبان ترسیل کا ذریعہ ہے، اسے فرقہ پرست نہیں بنانا چاہئے۔“ (ص ۱۰۵)

ٹی وی ہماری آج کی زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے، لیکن اس کی حصہ داری حوصلہ افزا نہیں۔ ٹی وی پر سیریل بھی پیش کئے جاتے ہیں، مصنف نے ان کے موضوعات کا جائزہ تیسرے حصہ میں لیکر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان سے ہمارے معاشرہ کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے، اگر ہمارے ذمہ دار سماج کے تئیں مخلص ہیں تو ان کو اس پہلو پر غور کرنا ضروری ہے۔ مصنف نے واضح انداز میں لکھا ہے کہ:

”اگر فلموں کی بات کریں تو ایسی فلمیں یا تو بہت کم بنتی ہیں جن میں سماج پر مثبت اثرات مرتب کرنے کے بھرپور امکانات ہوں، یا اگر بنتی ہیں تو ناظرین ان میں کوئی دل چسپی نہیں لیتے۔“

سیریلوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

”آج کے سیریلوں کے موضوعات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہوگی کہ ان میں مقصدیت کا فقدان ہے، اور چونکہ ان کی روح مقصدیت سے عاری ہوتی ہے، اسی لئے وہ سیریل مثبت اثرات مرتب نہیں کر پاتے۔“

ٹی وی سیریل کے ایک اور نقص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

”ان کہانیوں میں عام زندگی کی جھلک نہیں ہوتی، اگر کوئی ان میں اپنا معاشرہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے تو شاید اسے مایوسی ہوگی۔“

گجرات کے فساد پر بھی مصنف نے عمدہ روشنی ڈالی ہے، اور بحث کے اختتام پر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو سراہا ہے کہ انہوں نے حق گوئی کی جو مثال قائم کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ پھر اپنی اس توقع کا اظہار کیا ہے کہ آئندہ بھی صحافیوں کی ٹیم اپنی ذمہ داری محسوس کرے گی، اور بلا امتیاز مذہب و فرقہ غیر جانبدارانہ انداز میں رپورٹنگ کرے گی۔

نیوز چینلوں کے اسٹنگ آپریشن کی کہانی دل چسپ ہے، اور پچھلے برسوں کے تناظر میں دیکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی فرد قابل اعتبار نہیں! مصنف نے اسٹنگ آپریشن کے موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے جو 127 سے 158 تک پھیلی ہوئی ہے، میں اس دل چسپ بحث کے اقتباسات پیش نہیں کر سکتا، قاری اسے کتاب میں پڑھ سکتا ہے، مصنف نے

صرف ہند نہیں بلکہ امریکہ وغیرہ کے واقعات پیش کئے ہیں، اور دکھایا ہے کہ کس طرح دنیا دولت کی لالچ میں ضمیر کی آواز اور امانت داری کے اصولوں کو پس پشت ڈال دیتی ہے!

مصنف نے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کا تقابلی جائزہ لیکر دکھایا ہے کہ الیکٹرانک میڈیا کا دور شروع ہونے کے بعد عام لوگوں کو کسی حد تک یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب پرنٹ میڈیا اپنی اہمیت کھو دے گا، اور لوگ الیکٹرانک میڈیا کی طرف متوجہ ہو جائیں گے، مگر ایسا ہوا نہیں، مصنف نے اس مقام پر نیشنل ریڈر شپ سروے کا حوالہ دیا ہے جو وقت تحریر سے تین چار سال قبل کیا گیا تھا، اس سروے میں بتایا گیا تھا کہ دو سال قبل کل روزنامہ اخبارات کے روزانہ قارئین کی تعداد جہاں تیرہ کروڑ دس لاکھ تھی وہیں وہ دو سال کے اندر پندرہ کروڑ ساٹھ لاکھ تک پہنچ گئی۔ رپورٹ کا یہ بھی کہنا ہے کہ ابھی تقریباً چوبیس کروڑ اسی لاکھ خواندہ قارئین ہیں جو اخبار نہیں پڑھ پاتے، ان تک اخبار نہیں پہنچ پاتا، یعنی ان کے پاس قوت خرید نہیں ہے۔ مصنف نے اس مقام پر دونوں قسم کے میڈیا کے مابین تقابل کر کے دونوں کے مثبت و منفی پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے جس سے قاری کو دونوں قسم کے ذرائع ابلاغ کی حقیقت سمجھ میں آ جاتی ہے اس مفید بحث کے اختتام پر مصنف نے جو متوازن نتیجہ اخذ کیا ہے وہ کچھ یوں ہے:

”مجموعی طور پر الیکٹرانک میڈیا پرنٹ میڈیا کا دشمن نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔“ (ص ۱۶۴)

ایس ایم ایس ذریعہ ترسیل پر روشنی ڈالنے کے بعد مصنف نے ریڈیو اور ٹی وی نشریات کے آغاز و ارتقاء کی بحث کی ہے، اور اس سلسلہ میں مفید معلومات پیش کی ہیں، اور ہندوستان میں ریڈیو نشریات، آزاد ہندوستان میں ریڈیو نشریات اور ٹیلی ویژن کی ابتدا و ارتقاء وغیرہ اس بحث کی سرخیاں ہیں جنہوں نے اپنے دامن میں بہت ساری معلومات جمع کر لی ہیں۔

کتاب کا چوتھا حصہ ”اردو منظر نامہ“ کا عنوان رکھتا ہے، اس کے ضمن میں مصنف نے ”الیکٹرانک میڈیا اور اردو“ کے زیر عنوان ریڈیو اور ٹی وی نشریات، فلم اور اردو، نیوز چینل اور اردو، نیوز چینلوں کے اثرات بد جیسے ذیلی عنوان پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد ”اردو پریس اور جذباتیت“ کا عنوان قائم کیا ہے، اور چبھتے ہوئے سوالات کے ذریعہ ملت کے افراد کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ بحث کے آغاز میں مصنف نے قومی پریس کے ذریعہ ہونے والی حق تلفیوں کی جانب اشارہ کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ: ”دوسروں پر الزام عائد کرنا تو بہت آسان ہے، لیکن اپنے آپ کو الزامات سے پاک و صاف رکھنا بہت مشکل ہے۔“

مصنف کہتے ہیں کہ ردو اخبارات کسی بھی معاملہ کو مذہبی رنگ دے دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ملازمتیں نہیں دی جاتیں، مصنف اسے کسی حد تک صحیح مانتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ: کیا کبھی ہم اردو صحافیوں نے مسلمانوں کو یہ بتانے کی بھی زحمت گوارا کی ہے کہ آئی اے ایس اور دیگر اعلیٰ امتحانوں میں مسلمانوں کی شمولیت کتنی فیصد ہوتی ہے؟ کیا ہم نے کبھی مسلمانوں کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ فلاں محکمہ میں بھرتی ہو رہی ہے یا ہونے والی ہے، مسلمان وہاں قسمت آزمائی کریں؟ کیا اردو اخبارات کے صحافیوں نے آئی اے ایس جیسے باوقار مقابلوں کی تیاری کی غرض سے مسلم طلباء کے لئے کوئی کوچنگ شروع کی؟ اس طرح کے متعدد سوالات قائم کر کے مصنف نے اردو اخبارات کی تقصیر

اور جذبات ابھار کر منفعت اندوزی کی بات کی ہے، پھر جذباتیت کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔  
چوتھے حصہ کی ایک سرخی اردو صحافت کے مسائل سے متعلق ہے، اس میں مصنف نے سب سے پہلے زبان کے مسئلہ کو اٹھایا ہے، محث کے آغاز میں ان کا یہ جملہ دل چسپ ہے کہ: ”مختلف مسائل کے انبار میں دبی ہم عصر اردو صحافت کی داستان نہ تو رزمیہ ہے نہ ہی طربیہ، ہاں اسے حزنِ ضرور کہا جاسکتا ہے۔“  
پھر مصنف نے لکھا ہے کہ: صحافت زبان سے جڑی ہوتی ہے، زبان ترقی یافتہ ہو تو صحافت بھی ترقی یافتہ ہوگی، اور اگر زبان رو بہ زوال ہے تو صحافت کا معیار بھی پست ہوگا۔

آگے مصنف نے اردو صحافت کے مسئلہ کا تذکرہ کیا ہے، ان کی نظر میں سب سے بڑا مسئلہ اور چیلنج اردو زبان کی بقا اور تحفظ کا ہے۔ اردو صحافت کو درپیش دیگر مسائل ضمنی ہیں، اور اردو کی بقا اور تحفظ سے ہی جڑے ہوئے ہیں۔  
دوسرا مسئلہ مصنف نے سرمایہ کو قرار دیا ہے، چونکہ اردو اخبارات کے پڑھنے والے نہیں ہیں، لہذا ان کی اشاعت کم ہے، اور سرمایہ داران میں پیسہ لگانا نہیں چاہتے، ان کو اشتہارات بھی نہیں ملتے، اس کا تعلق بھی ان کی خستہ حالی ہی سے ہے۔  
جدید ترین ٹکنالوجی سے استفادہ کا معاملہ بھی اردو اخبارات کے مسائل میں سے ایک ہے۔ جدید ٹکنالوجی سے عدم استفادہ کا ایک سبب معلومات کی کمی بھی ہے، معلومات کی کمی سرمایہ کی کمی سے جڑی ہوئی ہے، اور سرمایہ کی کمی اردو زبان کی زوال پذیری سے وابستہ ہے، یعنی اسباب و علل کی دنیا میں ایک چیز کو دوسری چیز سے الگ نہیں کر سکتے۔  
مصنف لکھتے ہیں کہ: اردو اخبارات میں اسٹاف کی کمی رہتی ہے، اور مالک و مدیر حسب ضرورت اسٹاف نہیں رکھ پاتے، یا رکھتے ہیں تو ان کو معقول معاوضہ نہیں دے پاتے۔ مصنف اس کے حل کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کی برق رفتار زندگی کا ساتھ دینے کے لئے تربیت یافتہ رپورٹرز اور نمائندے رکھے جائیں۔  
اردو اخبارات کا ایک مسئلہ ”لیٹ نائٹ شفٹ“ کا بھی ہے، بہت کم اخبارات ایسے ہیں جو نو دس بجے کے بعد کی خبریں لیتے ہیں، بیشتر اخبارات میں لیٹ نائٹ شفٹ کا تصور ہی نہیں ہے، جس کی وجہ سے رات میں نو دس بجے کے بعد کے واقعات ان میں نظر نہیں آتے۔

مصنف نے ایک مسئلہ کو ”نا پسندیدہ روایت“ کہہ کر ذکر کیا ہے، اسے آپ بھی سنئے، لکھتے ہیں کہ: ایڈیٹر حضرات صحافیوں کی کوئی سیکنڈ لائن نہیں بناتے، وہ ماتحت صحافیوں کو Promote نہیں کر پاتے، تمام تر شعبے اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں، اور مدیر ہونے کی حیثیت سے زیادہ تر فائدہ خود ہی اٹھانا چاہتے ہیں۔

مصنف نے لکھا ہے کہ جے این یو، دہلی یونیورسٹی اور مسلم یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کو چھوڑ کر اردو صحافیوں کو تربیت دینے کے لئے کوئی ادارہ نہیں ہے، اگر سرکاری نہیں تو کم از کم کوئی پرائیویٹ ہی ادارہ ہونا چاہئے تاکہ ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے صحافیوں کو عملی تجربہ حاصل ہو جائے۔

مسائل کے تذکرہ کے مرحلہ سے ان کے حل پیش کرنے کا مرحلہ مشکل ہوتا ہے، مصنف نے اردو صحافت کے مسائل ذکر کر کے ان کے حل کی جانب بھی اشارہ کیا ہے، اور تیکھے اسلوب میں اپنی بات رکھی ہے، وجہ شاید یہ ہے کہ اردو صحافت کے ذمہ داران حل کو جانتے ہوئے بھی چشم پوشی کرتے ہیں، وقت مفاد پران کی توجہ زیادہ مرکوز رہتی ہے۔ حل کے سلسلہ میں مصنف نے سب سے پہلی بات یہ لکھی ہے کہ: آج کے دور میں اردو صحافت کو ”مشن“ کے بجائے ”بزنس“ بنانا ہوگا، جب تک تجارتی پہلو کی رعایت نہ ہوگی صحافت میں تازگی نہ آئے گی، اب یہ نہیں چلے گا کہ صحافت مالکوں اور مدیروں کے لئے تو بزنس ہو، اور کارکنوں کے لئے مشن ہو، دن بھر سخت محنت و مشقت کرنے کے بعد شام کے وقت صحافیوں کو جزاک اللہ کہہ کر رخصت کر دیا جائے، اور اگر کارکن اپنی محنت کا کچھ معاوضہ مانگیں تو یہ کہہ کر زبان بند کرادی جائے کہ آپ اردو کی خدمت کر رہے ہیں! (ص ۲۰۳)

دوسو سے زائد صفحات والی کتاب میں سہیل انجم صاحب نے ”قصہ درد“ کے لئے بھی گنجائش نکالی ہے، اور سوا چار صفحات میں اس قصہ کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے، انہوں نے اس عنوان کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے ان کا اپنا تجربہ ہے، لیکن دوسروں سے اس کا تطابق بھی مستبعد نہیں، علم و تحقیق کی دنیا میں قدر دانی کم اور استحصال زیادہ ہے، اسی لئے مسائل میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے، اور سمجھا جاتا ہے کہ ”ہیر و“ کے بغیر کوئی انہیں حل نہیں کر سکتا!

مصنف نے اس سرخی کے ذیل میں یاد دہانی کرائی ہے کہ ملک میں دو شعبے ایسے ہیں جن کی بدولت اردو بحیثیت زبان زندہ ہے، ان میں ایک شعبہ اردو اخبارات و رسائل یا اردو صحافت کا ہے، اور دوسرا شعبہ اسلامی مکاتب و مدارس کا، جہاں ابتدائی اور پرائمری سطح پر ہی اردو کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے، اور جب تک یہ دونوں شعبے قائم ہیں اردو کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا خواب کسی بھی قیمت پر شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔

انجم صاحب کی پوری کتاب میں دقیق ادبی تعبیر اور دل کش تیکھا اسلوب موجود ہے، میں نے بنظر اختصار اس پہلو کو نظر انداز کیا تھا، لیکن ایک پیرا گراف پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا جس میں تعبیر کا حسن اور مسئلہ کی اہمیت دونوں موجود ہے، لکھتے ہیں:

”آج اردو صحافت زوال پذیر ہے، وہ بے شمار مسائل کے گرداب میں ہے، اور دشواریوں کے سیلاب بلاخیز میں تنکے کی مانند بھی چلی جا رہی ہے۔ بلاشبہ اردو اخبارات کی فروخت اب بہت حد تک کم ہو گئی ہے، اور سرکاری اشتہارات بھی صرف انہی اخبارات کے کشکول کا مقصد رہنے لگے ہیں جو سرکاری دربار کی حاشیہ کفن میں طاق ہوں۔ خوددار، غیرت مند، دیانت دار اور اصولوں کی خاطر مرٹنے والا صحافی کل بھی جتنا جوں کی لائن میں کھڑا تھا، اور آج بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔“

قصہ درد کے اس حصہ پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے: ”اردو اخبارات میں عموماً اخبار کا مالک ہی اخبار کا ایڈیٹر بھی ہوتا ہے، اور پرنٹ لائن میں ایڈیٹر کی حیثیت سے اس کا نام بھی چھپتا ہے، سب ایڈیٹر اپنا خون جگر نچوڑ نچوڑ کر اخبار کی پالیسی کی خاردار راہداریوں سے گزر کر اور ذہن و دماغ میں مالک و مدیر کے غیظ و غضب کا دھڑکا لئے ہوئے ادارے، مضامین اور رپورٹیں قلم بند کرتا ہے، اور جب اخبار چھپ کر مارکیٹ میں آتا ہے تو ستائشوں کے سارے پھول مدیر نما مالکوں کے آنگن میں برستے ہیں، اور

اردو اخبار کی کامیابی کا سہرا اسی کے سر بندھتا ہے، اور اکیڈمیوں کے ایوارڈ بھی اسی کے کشکول کی زینت بن جاتے ہیں۔“ کتاب کا آخری عنوان اردو ویب سائٹس سے متعلق ہے، سہیل صاحب لکھتے ہیں کہ: ذرائع ابلاغ میں اب اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ بھی شامل ہو گیا ہے، انٹرنیٹ کی مدد سے آپ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر پوری دنیا کی سیر کر سکتے ہیں، آج انٹرنیٹ کی شاہراہ اتنی وسیع ہو چکی ہے کہ آپ کوئی بھی چیز تلاش کریں وہ انٹرنیٹ پر مل جائے گی، یہ شاہراہ ہر جگہ موجود ہے، یہاں تک کہ یہ ہمارے بیڈ روم سے بھی گزر رہی ہے۔

ایک اطلاع کے مطابق دنیا بھر میں اردو کی کئی سو ویب سائٹ موجود ہیں، اور کمپیوٹر اسکریں پر ان کی آئی ڈی ٹائپ کر کے وہاں تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

ہندوستان، پاکستان اور دیگر ملکوں کے اخبارات آپ انٹرنیٹ پر پڑھ سکتے ہیں، گویا پورا جہان اردو انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ اگر انٹرنیٹ پر موجود اردو مواد کو یکجا کر کے شائع کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کے لئے لاکھوں صفحات درکار ہوں گے۔ ان معلومات کے بعد مصنف نے مختلف ویب سائٹس کے نام اور دائرہ کار کا تعارف کرایا ہے، پھر کسی خاص پہلو کی ویب سائٹ ہے تو اس کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً اردو شاعری، غزل نامہ، محفل مشاعرہ، اردو کتاب سے متعلق ویب سائٹ، اور پاکستان سے متعلق معلومات کی ویب سائٹ، اور بعض اردو اخبارات کے لئے ویب سائٹ۔ مصنف نے کل آٹھ اخبارات کے نام دیئے ہیں، ان میں سے ایک نیویارک کا، ایک کراچی کا اور بقیہ ہندوستان کے ہیں۔

میڈیا: روپ اور بہروپ پر مختصر تبصرہ تمام ہوا، کتاب میں کام کی بہت ساری باتیں ہیں، جو لوگ بالاستیعاب مطالعہ کریں گے انہیں اندازہ ہوگا کہ سہیل انجم صاحب نے کس طرح سنجیدگی اور بصیرت کے ساتھ موضوع کا حق ادا کیا ہے، اور ادبی چاشنی کے ساتھ قارئین کو محفوظ کیا ہے۔

تعارفی طور کے اختتام پر یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ مجھے دو وجہ سے اس کتاب کے تعارف کا خیال پیدا ہوا، اول یہ کہ اردو زبان کی اس کتاب سے مدارس اسلامیہ کے طلبہ کو ایک نئے موضوع سے واقفیت کا موقع ملے گا، اور وہ ذرائع ابلاغ سے متعلق ضروری باتیں جان لیں گے، اور اپنی آئندہ زندگی میں ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ دوم یہ کہ اس کتاب سے میڈیا کا مثبت و منفی کردار ہمارے سامنے آ گیا ہے، اور ہم اس کے سلسلہ میں رائے قائم کرنے کی پوزیشن میں ہیں، اس کتاب کو پڑھنے کے بعد میڈیا سے متعلق جو بات کہی جائے گی متوازن ہوگی۔ میڈیا کو عام طور پر شکایت آمیز موقف کا سامنا رہتا ہے، یہ کتاب ہمارے سامنے میڈیا کی وہ کوششیں بھی لاتی ہیں جنہیں وہ حق و انصاف کی حمایت میں انجام دیتا ہے۔ یقین ہے کہ یہ کتاب جدید اردو لا بیری میں اہم اضافہ ثابت ہوگی۔

تحریر: ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری



## سال ہجری جدید استقبال و احتساب

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے بے پایاں انعام و اکرام پر اس کا شکر ادا کرو، اور یہ جان رکھو کہ شب و روز کی گردش اور ماہ و سال کا آنا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وقت اپنی رفتار کے ساتھ گزر رہا ہے، آج دن ختم ہوا، کل مہینہ پورا ہوا اور دیکھتے دیکھتے سال بیت گیا، اسی طرح حالات بدلتے جا رہے ہیں اور وقت تیزی کے ساتھ گزرتا جا رہا ہے، مگر ہم ہیں کہ غفلت کی نیند سو رہے ہیں، طرح طرح کی دنیاوی آرزوؤں نے ہمیں گھیر رکھا ہے، ہم خواہشات نفس میں مبتلا ہو چکے ہیں، ہمارا نفس گناہوں میں لت پت ہے اور ہماری پوری کوشش اور تگ و دو حصول دنیا تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، آخر کب تک ہم اس غفلت و بیہوشی میں پڑے رہیں گے؟ عمر عزیز کو کب تک لہو و لعب میں ضائع کرتے رہیں گے؟ ہمارا ضمیر کب بیدار ہوگا؟ ہماری آنکھیں کب کھلیں گی؟ اور کب وہ وقت آئے گا جب ہم اللہ کے سامنے حاضر ہونے اور زندگی کے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل کا حساب دینے کی فکر کریں گے؟

قرآن کریم نے آیات کے ذریعہ ہمیں متنبہ کر دیا ہے، حادثات زمانہ بھی ہمیں مسلسل خبردار کرتے رہتے ہیں، مگر افسوس کہ ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں اور ہم زندگی کے اصل مقصد سے دور بہت دور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں:

﴿اقترب للناس حسابهم وهم في غفلة معرضون، ما يأتيهم من ذكر من ربهم محدث الا استمعوه وهم يلعبون، لاهية قلوبهم﴾ (الانبياء: ۱-۳)

لوگوں کا حساب (اعمال کا وقت) قریب آپہنچا ہے اور وہ غفلت میں پڑے اس سے منہ پھیر رہے ہیں، ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ان کے پروردگار کی طرف سے نہیں آتی مگر وہ اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں، ان کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اللہ کے بندو! ہم نے ایک سال کو رخصت کر دیا ہے، اس کے شب و روز ایک ایک کر کے آتے اور گزرتے چلے گئے، لیکن ذرا سوچو کیا اس پورے سال کا ایک ادنیٰ سا وقت بھی دوبارہ حاصل ہو سکتا ہے؟ کیا کسی مافات کی اصلاح یا تلافی ممکن ہے؟ ہرگز نہیں، اس کی کوئی صورت نہیں، سوائے اس کے کہ ہم سے جو کچھ چوک ہو گئی ہے اس پر نادم ہوں، سچے دل سے توبہ کریں اور حیات مستعار کے جو بھی لمحات باقی بچے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں کوئی کمی نہ آنے دیں۔

آج سے ہمارا نیا سال شروع ہو رہا ہے، لہذا اپنے عزم و ارادہ میں اللہ کے تقویٰ کا جذبہ پیدا کرو کہ تقویٰ ہی ذریعہ نجات اور ابدی سعادت کا ضامن ہے، کتاب و سنت کی اتباع و پیروی کا عزم مضمم کرو کہ ان کی پیروی ہی میں دنیا و آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔

دینی بھائیو! آج سے جو مہینہ ہم پر سایہ فگن ہے یہ ایک بابرکت مہینہ ہے، رسول اللہ ﷺ اس مہینہ میں اور خاص کر اس کی دسویں تاریخ یعنی یوم عاشوراء کا روزہ رکھنے کی ترغیب دیتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

”ما علمت أن رسول الله ﷺ صام يوماً يطلب فضله على الأيام إلا هذا اليوم، یعنی یوم عاشوراء، ولا شهراً إلا هذا الشهر، یعنی رمضان“۔ (۱)

میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی دن کا روزہ رکھ کر دیگر ایام پر اس کی فضیلت تلاش کی ہو، سوائے یوم عاشوراء کے، اور نہ ہی کوئی مہینہ ایسا ہے جسے سال کے دیگر مہینوں پر فضیلت دی ہو سوائے ماہ رمضان کے۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”هذا يوم عاشوراء، ولم يكتب عليكم صيامه، وأنا صائم، فمن شاء فليصم ومن شاء فليفطر“۔ (۲)

یعنی آج عاشوراء کا دن ہے، اس کا روزہ تم پر فرض نہیں، لیکن میں روزہ سے ہوں، پس جو شخص چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

ابوقادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”صوم عاشوراء يكفر سنة ماضية“۔ (۳)

عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنے سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس مہینہ میں فضائل اعمال میں سے سوائے روزہ کے اور کوئی بھی عمل ثابت نہیں، اس ماہ سے متعلق بعض مخصوص قسم کے اوراد و وظائف یا نماز وغیرہ کی فضیلت کی جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں رسول اللہ ﷺ سے ان کا کوئی ثبوت نہیں، اسی طرح اہل و عیال پر بکثرت خرچ کرنے اور انہیں آرام سے رکھنے کی فضیلت کی جو باتیں لوگوں کے درمیان مشہور ہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں ان کا کوئی وجود نہیں، نیز شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں کوئی بھی روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں، امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔

عبادات کی مشروعیت کا دار و مدار شریعت کے حکم پر ہے، اس لئے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع کرے، کیونکہ آپ ہی شارع اور اللہ تعالیٰ کے پیغامبر ہیں۔ بہت سے جاہل اور کم سمجھ لوگ اس بابرکت مہینہ کو عید اور خوشیوں کا مہینہ تصور کرتے ہیں، اور بعض فرقے اسے رنج و غم اور ماتم و سیدہ کو بی کے ایام قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان میں سے دو کے دونوں فرقے سنت نبوی سے دور اور اسلاف کرام کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔

بندگان الہی! لہذا اپنے رب سے ڈرو، اپنے دلوں کے اندر سنت نبوی کی اتباع کا جذبہ اور سلف صالحین کی پیروی کا عزم پیدا کرو، رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہمارے لئے اسوہ و نمونہ ہے، فرمان باری ہے:

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء (۱۱۳۲)

(۲) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء (۱۱۳۹)

(۳) مسند احمد (۲۹۶/۵، ۲۲۵۹۳، ۲۲۵۹۸)



﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرِّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَيَّ رَسُولُنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (المائدہ: ۹۲)

اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ڈرتے رہو، اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔

### ہجرت نبوی ﷺ کی یاد میں:

اس موقع پر ہمیں تاریخ کا دو اہم ترین واقعہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جسے ”ہجرت“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ہم ہجری سال کے ان ابتدائی ایام سے گزر رہے ہیں جو ہمیں رسول مصطفیٰ ﷺ کی ”ہجرت مدینہ“ کی یاد دلاتے ہیں، مکہ وہی مقدس شہر ہے جہاں رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی جانب سے وحی کا نزول ہوتا تھا اور آپ امین وحی جبرئیل علیہ السلام کے لائے ہوئے احکامات کی اپنی امت کو تبلیغ فرماتے اور اپنے ارشادات و افعال کے ذریعہ انہیں تعلیم دیتے تھے۔

اس دعوت حق کے نتیجہ میں آپ اور آپ کے اصحاب کو شدید ترین اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، آپ سے پیشتر اولو العزم پیغمبر اور ان کے متبعین ابتلاء و آزمائش کے جن دشوار گزار مراحل سے گزر چکے تھے اور ایک مومن مجاہد کو ابتلاء و آزمائش کے جتنے مرحلے پیش آسکتے ہیں آپ اور آپ کے اصحاب کو بھی پیش آئے، لیکن آپ نے صبر کیا، دشمنان دین کی جانب سے پیش آنے والی مشقتوں، اذیتوں، مصیبتوں اور آزمائشوں پر اپنے اصحاب کو صبر کی تلقین فرمائی اور امت کے لئے صبر و تحمل کی بے نظیر مثال اور اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ (الأحزاب: ۲۱)

تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی بہتر نمونہ ہے، اس شخص کے لئے جسے اللہ سے ملنے اور روز قیامت کے آنے کی امید ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جس شان کے ساتھ رسول مصطفیٰ ﷺ کا ذکر بلند کیا، دشمنان اسلام کے خلاف جس انداز سے آپ کی مدد فرمائی اور روئے زمین پر جس طرح فتح و کامرانی عطا کی اسے دیکھ کر اللہ کی ذات پر توکل اور ایمان و تصدیق کے جذبات سے دل معمور ہو جاتا ہے اور دین برحق کی صدق دل سے خدمت کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے ساتھ ہی فتح و کامرانی اور کلمہ اسلام کی سر بلندی کا سلسلہ شروع ہوا، کفار مکہ کے قبول حق سے مسلسل اعراض اور لوگوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی پیہم کوششوں کے ساتھ ہی جب ان کی ایذا رسانی کا سلسلہ بڑھا، آپ کو مغلوب کر دینے اور آپ کی دعوت کو دبا دینے کی کوششیں ہونے لگیں اور پھر اس نور الہی کو غل ہی کر دینے کے پروگرام بننے لگے، شیطان لعین کے صلاح و مشورہ اور تائید کے بعد آپ کو قتل کر دینے کی تجویز پاس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ہجرت کا حکم دے دیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کا وعدہ پورا ہو اور یہ واقعہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے عبرت و نمونہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو کفار مکہ کی ناپاک سازشوں سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يَخْرُجُوكَ وَيَمْكُرِ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ (الأنفال: ۳۰)

یعنی اے محمد! اس وقت کو یاد کرو جب کافر لوگ تمہارے بارے میں چال چل رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں یا وطن سے نکال دیں، تو ادھر تو وہ چال چل رہے تھے اور ادھر اللہ چال چل رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم پا کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے آبائی وطن مکہ اور خویش و اقارب کو خیر باد کہا اور مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے، ہجرت کے اس سفر میں آپ کے یار غار اور خیر امت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے، غار ثور کے اندر سے ابو بکر صدیق نے جب دشمنوں کو باہر کھڑا دیکھا تو انہیں آپ کی فکر لاحق ہوئی، مگر رسول اللہ ﷺ کو کوئی خوف و ہراس نہ تھا، بلکہ آپ نہایت سکون و اطمینان میں تھے اور اللہ کی معیت اور اس کی عنایت و مہربانی کو یاد دلا کر ابو بکر صدیق کو اطمینان و تسلی دے رہے تھے:

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبة: ۲۵)

(یعنی پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ) تم غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے، اور کافروں کی بات کو پست کر دیا، اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے، اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

آپ ﷺ کی آمد اہل مدینہ کے لئے فرح و سرور بن کر آئی، انہوں نے اپنے لئے سراپا خیر و سعادت سمجھا، ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دلوں کو سرور ملا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو نبی ﷺ کی مدد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبات سے معمور کر دیا اور ہر مہاجر مومن کے لئے ان کا گھر بجا و مادی قرار پایا، وہ مہاجرین کی دلجوئی کرتے اور ان کی آمد اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے، اسی واقعہ کو قرآن مجید نے اس انداز سے بیان کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يَحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر: ۹)

(اللہ نے جو مال اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلویا وہ ان لوگوں کے لئے بھی ہے) جو مہاجرین سے پہلے ہجرت کے گھر میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے، جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔

رسول اللہ ﷺ کو جب مدینہ میں اطمینان حاصل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد و قتال کی اجازت اور پھر اس کا حکم بھی دے دیا تو آپ نے حکم الہی کی تعمیل میں دشمنان اسلام سے جہاد کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوئی اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا، عظیم ترین فتح اس وقت حاصل ہوئی جب بدر کے میدان میں پہلی بار اسلام اور کفر کا دست بدست مقابلہ ہوا، اسی کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ﴾ (آل عمران: ۱۲۳)  
اللہ نے جنگ بدر میں بھی تمہاری مدد کی، اس حال میں کہ تم بے سرو سامان تھے، پس اللہ سے ڈرنا کہ شکر کرو۔  
جنگ بدر کے بعد مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں اور ایک وقت وہ بھی آیا کہ مکہ کے اندر آپ ﷺ اس فاتحانہ شان سے داخل ہوئے کہ اہل مکہ کی ماضی کی گستاخیوں سے درگزر کرتے ہوئے انہیں امان دے رہے تھے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر یہ اعلان فرما رہے تھے:

لا اله الا الله وحده لا شريك له، صدق وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده۔  
اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور تمام گروہوں کو تنہا شکست دے دی۔

اس کے بعد قریش مکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج میرے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ قریش مکہ نے جواب دیا: ہمیں آپ سے خیر ہی کی امید ہے، آپ ہمارے شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے جواب دیا: ”اذھبوا فأنتم الطلقاء“ جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو، آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

بلال رضی اللہ عنہ جنہیں اسلام لانے کے جرم میں ہجرت سے پہلے طرح طرح سے ستایا گیا تھا، سخت اذیتیں دی گئی تھیں، اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے شدید دھوپ میں تپتی ریت کے اوپر لٹا کر ان کے سینہ پر بھائی پتھر رکھ دیا جاتا تھا، مگر اسلام کی راہ میں پیش آنے والی ناقابل برداشت اذیتوں نے دین اسلام سے پھیرنا تو کجا، اسلام پر ثابت قدم رہنے اور رب واحد کی وحدانیت کے گیت گانے کا مزید حوصلہ عطا کیا تھا، فتح مکہ کے دن وہی بلال مظلوم صنادید قریش کے سامنے کھڑے ہو کر ”اللہ اکبر“ اور ”أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمدا رسول الله“ کا نعرہ لگا رہے تھے اور انہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دے رہے تھے، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿إِنَّا لَنَنْصُرَ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ (غافر: ۵۱)  
ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (یعنی قیامت کے دن بھی)

اللہ کے بندو! غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی پر صبر کا انجام کتنا اچھا ہوتا ہے، اور دنیا کی زیب و آرائش سے دھوکہ کھا کر دنیا ہی کے ہو کر نہ رہ جاؤ، آخرت کے بر مقابل متاع دنیا کی کوئی حیثیت نہیں۔

فرمان باری ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (العنکبوت: ۶۹)  
جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھا دیں گے، اور اللہ تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

ماخوذ از: خطبات حرم، شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل حفظہ اللہ  
امام و خطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

## مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور باطل تحریکات

(قسط: ۱)

مولانا اسعد اعظمی / استاذ جامعہ سلفیہ

صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی نے شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ پر لکھنؤ میں ایک روزہ تمہیدی سیمینار میں راقم کو ”مولانا امرتسری اور باطل تحریکات“ کے موضوع پر مقالہ پیش کرنے کا حکم دیا ہے (۱)، عنوان بظاہر مختصر نظر آ رہا ہے، مگر علامہ امرتسری کی حیات و خدمات سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہے کہ یہ موضوع کس قدر متعدد الجواب اور متنوع الاطراف ہے، اس کی تفصیل کے لئے تو مجلدات درکار ہیں، کیونکہ حضرت امرتسری کی لگ بھگ پوری زندگی اسلام کے تعارف، اس کے دفاع اور باطل افکار و نظریات اور مذاہب و تحریکات کی تردید میں گزری، آپ کی علمی و دعوتی خدمات کا بیشتر حصہ ان ہی نظریات و تحریکات کے رد پر مشتمل ہے۔

میری ناقص رائے میں مذکورہ بالا موضوع کی وضاحت کے لئے کم سے کم درج ذیل جزئیات پر گفتگو ہونی چاہئے:

۱- باطل تحریکات سے نبرد آزما ہونے کے لئے مولانا کے اختیار کردہ وسائل۔

۲- وہ باطل تحریکات جن کا مولانا نے مقابلہ کیا۔

۳- مقابلہ اور بحث و مباحثہ سے متعلق مولانا کے امتیازی خصائص۔

۴- دفاع عن الاسلام سے متعلق مولانا کی خدمات مختلف مکاتب فکر کے علماء کی نظر میں۔

لیکن ان تمام نقاط پر روشنی ڈالنے کے لئے طویل وقت اور کثیر محنت درکار ہے، بنابرین فی الحال صرف اول الذکر جزئیے پر کچھ گفتگو کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

مولانا نے باطل نظریات و تحریکات کی تردید کے لئے جن وسائل کو استعمال کیا ان میں چار اہم اور کثیر الاستعمال ہیں،

اور وہ یہ ہیں:

۲- صحافت

۱- تصنیف

۴- درس و تقریر

۳- مناظرہ

(۱) یہ سیمینار لکھنؤ میں ۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء کو منعقد ہوا، موصوف مقالہ نگار بعض مجبوریوں کی وجہ سے پروگرام میں شرکت نہ کر سکے تھے۔ (محدث)

زیر بحث موضوع سے متعلق مولانا کی تصنیفی خدمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱- تردید پر مشتمل مستقل کتابیں۔

۲- دیگر تصانیف جو ضمنی طور پر تردید پر مشتمل ہیں۔

مؤلفات کی تفصیل میں جانے سے پہلے اس پس منظر پر روشنی ڈال دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں مولانا نے اسلام کے دفاع کا بیڑا اٹھایا اور اس کے مخالفین سے ٹکر لینے کی ٹھانی۔

مولانا کے عہد کے ہندوستان کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی محکومی و مغلوبی کا دور تھا، انگریز ہندوستان کو مکمل طور سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، اپنی سیاسی برتری کے نشے میں انہوں نے مذہبی برتری کے لئے بھی جال بچھا دیا اور خصوصیت کے ساتھ اسلام اور اہل اسلام کو نشانہ بنانے لگے، ان کی دیکھا دیکھی ملک کے دوسرے مذاہب و افکار کے حاملین بھی جرأت مند ہوئے اور اسلام اور اس کی پاکیزہ تعلیمات پر ہلہ بول دیا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری حصول تعلیم کے دوران یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور ان کے دل کے اندر اسلام کے دفاع اور اس کی تعلیمات کے تحفظ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کا جذبہ موجیں مار رہا تھا، اللہ رب العزت نے فطرتاً ان کو مناظرہ کی صلاحیتوں سے نوازا تھا جس کی وجہ سے بچپن ہی سے اس طرف ان کا میلان تھا، اس سلسلے میں مولانا کے دور طالب علمی کے متعدد واقعات نقل کئے جاتے ہیں جن میں سے صرف ایک واقعہ سطور بالا کی دلیل کے طور پر ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

”حال بازار امرتسر میں جیمز نامی ایک پادری عیسائیت پر تقریر کر رہا تھا، اس نے اپنی تقریر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کی، سیکڑوں مسلمانوں کا ہجوم تھا اور چند اچھے خاصے علماء بھی وہاں موجود تھے لیکن کسی نے بھی پادری کو نہ روکا اور نہ ہی اس سے گفتگو کی کوشش کی، مولانا کی عمر اس وقت بمشکل پندرہ سال ہوگی، مولانا نے جب دیکھا کہ کوئی بھی اس پادری کا جواب دینے کے لئے میدان میں نہیں آیا تو مولانا مسکراتے ہوئے میدان میں آگے بڑھے اور پادری کو سلام کر کے فرمایا، آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، اجازت ہو تو پوچھوں، پادری نے پہلے مولانا کی کم سنی پر غور کیا، پھر کہا پوچھو میاں کیا پوچھتے ہو، ہم تو یہاں کھڑے ہی اسی لئے ہیں کہ کوئی ہمارے ذریعہ ہدایت پائے۔“

مولانا نے فرمایا پادری صاحب آپ بار بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے رہے اور ان کو اللہ کی ابنیت میں دینے پر تلے ہوئے ہیں، یہ تو بتائیں اللہ کی شادی کب ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ اللہ کی زوجہ کا کیا نام ہے؟ بیٹا اللہ نے خود جنایا؟ یا یہ کہ اللہ کی بیوی نے جنا؟

مولانا کے اس سوال پر حاضرین پر سننا ٹاچھا گیا، پادری دم بخود رہ گیا، ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارے لیکن کوئی جواب بن

نہ آیا اور نہ ہی کوئی دلیل سمجھ میں آئی، مولانا نے پادری کو حیران و پریشان دیکھ کر فرمایا:

پادری صاحب! کیوں خدا کے بھیجے ہوئے رسول مسیح کو ذلیل اور بے عزت کر رہے ہو، ان کو خدا کا بیٹا بنا کر ان کا مرتبہ گھٹا دیا، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نہ آپ کا خدا کی ہستی پر اور نہ ہی اس کی صفات پر ایمان و یقین ہے، نہ پیغمبر خدا مسیح علیہ السلام کی رسالت و نبوت پر آپ کا ایمان ہے، آپ تین خداؤں کی عبادت کرتے ہیں، مگر افسوس کہ ابھی تک ایک کو بھی نہ پاسکے۔ پادری صاحب! آپ کسی دوسرے کو کیا ہدایت دیں گے جب کہ خود ہی صحیح راستے سے بھٹک چکے ہیں اور گمراہی کی طرف جارہے ہیں..... مولانا کی مختصر سی تقریر کو سن کر پادری پسینہ پسینہ ہو گیا اور ندامت سے سر جھکائے ہوئے بستہ اٹھا کر بھاگ گیا، مسلمانوں نے فرط مسرت سے گلے لگایا۔“ (۱)

مولانا امرتسری خود اپنے تعلق سے رقمطراز ہیں:

”کان پور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب پہنچا اور مدرسہ تائید الاسلام امرتسری میں کتب درس نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا، طبیعت میں تجسس زیادہ تھا، اس لئے ادھر ادھر سے ماحول کی مذہبی حالت دریافت کرنے میں مشغول رہتا، میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں، ان ہی دنوں قریب میں قادیانی تحریک پیدا ہو چکی تھی جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔“

”مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم تھے، میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانے میں مناظرات کی طرف بہت زیادہ راغب تھی، اس لئے تدریس کے علاوہ ان تینوں گروہوں (عیسائی، آریہ، قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا، بفضلہ تعالیٰ میں نے اس میں کافی واقفیت حاصل کر لی، ہاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا، شاید اس لئے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہوگی، جس کی جانب مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے:

آ کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

”اس شغل میں میں نے چند علمائے سلف کی تصنیفات سے خاص فوائد حاصل کئے، حدیث شریف میں قاضی شوکانی، حافظ ابن حجر اور ابن قیم وغیرہم کی تصانیف سے، علم کلام میں امام بیہقی، امام غزالی، حافظ ابن حزم، علامہ عبد الکریم شہرستانی، حافظ ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ اور امام رازی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا۔“ (۲)

(۱) ”حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری“ از مولانا فضل الرحمن بن میاں محمد، ص: ۳۲-۳۳۔

(۲) بزم ارجنداں، از مولانا محمد اسحاق بھٹی، ص: ۱۴۸۔

## باطل تحریکات کے رد میں مولانا امرتسری کی مستقل تصنیفات:

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی (استاذ جامعہ سلفیہ بنارس) نے اپنی کتاب: ”جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات“ میں رد عیسائیت پر مولانا امرتسری علیہ الرحمۃ کی درج ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے:

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	صفحات
۱	کلمہ طیبہ	اردو	۴۲
۲	جوابات نصاری	اردو	۹۲
۳	رسالہ توحید، تثلیث اور راہ نجات	اردو	۴۰
۴	اسلام اور مسیحیت	اردو	۲۲۰
۵	اسلام اور پالی ٹیکس	اردو	۸
۶	اسلام اور برٹش لا	اردو	۵۶

(۱)

اسی طرح ہندو مذہب سے متعلق درج ذیل کتابیں ذکر کی ہیں:

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	صفحات
۱	حدوث وید	اردو	۱۶
۲	رسالہ رکوب السفیۃ فی مناظرۃ النکیتۃ	اردو	۲۰۴
۳	حدوث دنیا	اردو	۳۴
۴	الہام	اردو	۱۶
۵	شادی بیوگان اور نیوگ	اردو	۱۸
۶	ترک اسلام بجواب ترک اسلام	اردو	۲۴۰
۷	تغلیب الاسلام ۴ جلدیں	اردو	۳۷۰
۸	الہامی کتاب	اردو	۱۹۲
۹	بحث تناخ	اردو	۴۲

۱۰	سوامی دیانند جی کا علم و عقل	اردو	۱۶
۱۱	تبر اسلام	اردو	۱۰۲
۱۲	مناظرہ جبل پور	اردو	۹۲
۱۳	رسالہ محمد رشی	اردو	۱۹
۱۴	مقدس رسول	اردو	۸۰
۱۵	نکاح آریہ	اردو	۴۰
۱۶	تحریف آریہ	اردو	۵۴
۱۷	اصول آریہ	اردو	۲۶
۱۸	ہندوستان کے دو ریفارمر	اردو	۳۲
۱۹	جہاد وید	اردو	۴۰
۲۰	نماز اربعہ	اردو	۴۰
۲۱	مناظرہ تحصیل دیو ریا مابین اہل اسلام و دیانندی آریہ	اردو	۲۸۴
۲۲	فتح اسلام، یعنی مناظرہ خورجہ	اردو	۶۶
۲۳	آریوں کے علمائے اسلام سے پچیس سوالات کے فوری جوابات	اردو	۱۶
۲۴	مباحثہ ناہن	اردو	۸
۲۵	اظہار حق بجواب ستیا رتھ پرکاش (بعد میں اسے منسوخ کر کے حق پرکاش کے نام سے شائع کیا)	اردو	۱۱۶
۲۶	مرقع دیانندی	اردو	۸۸
۲۷	رحم الشیاطین بجواب اساطیر الاولین	اردو	۱۶
۲۸	مجموعہ رسائل متعلقہ بہ وید و قرآن	اردو	غیر مذکور
۲۹	ایشور بھگتی	اردو	۸



رد قادیانیت پر مولانا محمد مستقیم صاحب نے علامہ امرتسری کی درج ذیل کتابوں کو ذکر کیا ہے:

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	صفحات
۱	الہامات مرزا	اردو	۱۳۲
۲	صحیفہ مرزا	اردو	۷۶
۳	شہادت مرزا، ملقب بہ عشرہ مرزا	اردو	۳۲
۴	فاتح قادیان	اردو	۷۰
۵	عقائد مرزا	اردو	۸
۶	چیتاں مرزا	اردو	۸
۷	مرقع قادیانی	اردو	۵۸
۸	زار قادیان	اردو	۸
۹	تاریخ مرزا	اردو	۶۴
۱۰	نکات مرزا	اردو	۴۰
۱۱	محمد قادیانی	اردو	۲۴
۱۲	فیصلہ مرزا	اردو	۴۰
۱۳	ناقابل مصنف مرزا	اردو	۶۰
۱۴	باء اللہ اور مرزا	اردو	۷۶
۱۵	علم کلام مرزا	اردو	۸۰
۱۶	عجائبات مرزا	اردو	۴۴
۱۷	ابطال مرزا	اردو	۱۶
۱۸	تحفہ احمدیہ	اردو	۵۲
۱۹	مکالمہ احمدیہ	اردو	۵۲
۲۰	لیکھرام اور مرزا	اردو	۱۶
۲۱	مراق مرزا	اردو	۱۴

۲۲	نکاح مرزا	اردو	۲۰
۲۳	فتح ربانی در مباحثہ قادیانی	اردو	۸۸
۲۴	فتح نکاح مرزائیاں	اردو	۲۴
۲۵	شاہ انگلستان اور مرزا قادیانی	اردو	۱۲
۲۶	تعلیمات مرزا	اردو	۷۲
۲۷	ہفتوات مرزا	اردو	۱۰
۲۸	ثنائی پاکٹ بک	اردو	۹۶
۲۹	آفت اللہ	اردو	۸
۳۰	قادیانی مباحثہ دکن	اردو	۲۴
۳۱	عشرہ کاملہ	اردو	۱۵۰
۳۲	تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار	اردو	۴۸
۳۳	قادیانی بنی کی تحریر فیصلہ کن ہے یا میرا حلف	اردو	غیر مذکور

(۱)

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری علیہ الرحمۃ نے تین چار مزید کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں بطش قدیر قادیانی تفسیر کبیر، محمود، مصالح موعود؟ ہندوستان کے دور یقارمر (جس کا تذکرہ رد ہندومت کے ضمن میں ہو چکا ہے) شامل ہیں، مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”باوجود کوشش کے اس موضوع پر مولانا کی جملہ تصانیف کی تعداد ٹھیک ٹھیک معلوم نہ ہو سکی، پھر جن تصنیفات کا علم ہوا وہ سب کی سب دستیاب بھی نہ ہو سکیں، اس لئے اس تعارف کو جامع تعارف سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔“ (۲)

قادیانیت کے موضوع پر مولانا امرتسری کی (۳۶) کتابوں کا تعارف کرانے کے بعد مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

لکھتے ہیں:

”ان (۳۶) کتابوں اور رسالوں کے علاوہ ”رسائل اعجازیہ“، ”تحفہ مرزائیہ“ اور ”عمر مرزا“ نام کے تین رسالوں کا ذکر ایسے سیاق و سباق میں ملتا ہے جس سے ظن غالب ہوتا ہے کہ یہ تینوں بھی مولانا امرتسری ہی کے تصنیف کردہ ہیں، لیکن اس

(۱) تصنیفی خدمات، ص: ۷۱۵-۷۲۴۔

(۲) فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص: ۲۲۴۔

پر کوئی یقینی شہادت نہیں مل سکی.....“۔ (۱)

واضح رہے کہ مولانا صفی الرحمن صاحب نے اپنی کتاب میں مولانا امرتسری کی ان (۳۶) کتابوں اور رسالوں کا تفصیلی تعارف تحریر فرمایا ہے جو دیگر معلومات کے علاوہ ہر کتاب کی تاریخ تالیف پر بھی مشتمل ہے، اسی طرح مولانا محمد مستقیم صاحب نے بھی تصنیفی خدمات میں ہر کتاب پر چند سطر کا تعارفی نوٹ تحریر فرمایا ہے جو زبان، صفحات کی تعداد، سن طبع، مطبع اور دیگر معلومات پر مشتمل ہے، ہم نے بخوف طوالت صرف مذکورہ بالا مندرجات کے ذکر پر اکتفا کیا، امید کہ تفصیل کے خواستگار ان دونوں کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی زحمت فرمائیں گے۔

واضح رہے کہ دیگر ادیان و تحریکات کے مقابلے میں قادیانی فتنہ کی بیخ کنی پر سب سے زیادہ مولانا نے محنت صرف کی جس کا تذکرہ خود مولانا نے اپنی کتابوں میں جا بجا کیا ہے، اس تعلق سے مولانا کی درج ذیل تحریر دلچسپ اور مفید ہے، آپ لکھتے ہیں:

”تیسری شاخ میری تصانیف کی قادیان کے متعلق ہے، اس کی تفصیل لکھوں تو ناظرین کے ملال خاطر کا خطرہ ہے، اس لئے مختصر طور پر بتلاتا ہوں کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یا نہیں“۔ (۲)

رض و شیع کے تعلق سے مولانا محمد مستقیم صاحب نے مولانا امرتسری کی دو کتابیں ذکر کی ہیں:

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	صفحات
۱	خلافت محمدیہ	اردو	۶۳
۲	خلافت رسالت	اردو	۲۰

(۳)

منکرین حدیث کے رد میں مولانا کی درج ذیل کتابیں ہیں:

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	صفحات
۱	دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن	اردو	۴۰
۲	حدیث نبوی اور تقلید شخصی	اردو	۳۲
۳	برہان القرآن	اردو	۱۸۰

(۱) فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص: ۲۵۵۔

(۲) ایضاً، ص: ۳۹۔ (۳) تصنیفی خدمات، ص: ۵۰۴۔

۴	حجیت حدیث اور اتباع الرسول	اردو	۶۴
۵	خاکساری تحریک اور اس کا بانی	اردو	۱۶۰
۶	دفاع عن الحدیث	اردو	غیر مذکور
۷	برہان الحدیث با حسن الحدیث	اردو	”
۸	بیان الحق بجواب بلاغ الحق	اردو	”
۹	تصدیق الحدیث ۳ جلدیں	اردو	”
۱۰	صلاة المؤمنین بجواب رساله صلاة المرسلین	اردو	۳۳ (۱)
۱۱	رسالہ تکذیب الکفرین	اردو	۱۲۴

#### رسالہ ”عقائد کفریہ و ہابیہ“ کا جواب (۲)

مولانا امرتسری علیہ الرحمۃ نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں اپنی تصانیف کی چار شاخوں کا ذکر کیا ہے (۱) رد عیسائیت (۲) رد آریٹ (۳) رد مرزائیت (۴) تفسیر۔ اور ہر ایک شاخ سے متعلق اپنی بعض اہم اہم کتابیں اور ان کا پس منظر بیان کیا ہے، مولانا صنفی الرحمن صاحب مبارکپوری نے پانچویں شاخ کا اضافہ کرتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا ہے: ”پانچویں شاخ: رد فقہائے اسلامیہ“، اس کے تحت مولانا لکھتے ہیں:

”مولانا امرتسری نے اپنی تصانیف کی مذکورہ بالا چار شاخوں کے علاوہ مزید کسی شاخ کا تذکرہ نہیں کیا ہے، حالانکہ اسلام سے صحیح یا غلط نسبت رکھنے والے متعدد فرقوں (دیوبندی، بریلوی، شیعہ، رافضی، نیچری، منکرین حدیث وغیرہ) کی تردید میں آپ کی متعدد تصانیف موجود ہیں، جنہیں پانچویں شاخ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، بطور مثال چند کتابوں کے نام یہ ہیں: اہل حدیث کا مذہب، تقلید شخصی و سلفی، حدیث نبوی اور تقلید شخصی، علم الفقہ، آمین، رفع یدین، فتوحات اہل حدیث، اجتہاد و تقلید، فقہ اور فقیہ، دلیل الفرقان، خلافت محمدیہ، عصمت النبی، رسوم اسلام، اتباع الرسول“۔ (۳)

(جاری)



(۱) تصنیفی خدمات، ص: ۳۷۵-۳۷۷۔ (۲) تصنیفی خدمات، ص: ۴۲۴۔

(۳) فقہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص: ۳۵-۴۱۔

## تقویم ہجری کا آغاز

مولانا عبدالمبین مدنی

تقویم (کلینڈر) انسانی تمدن و معاشرت کی ایک اہم ضرورت ہے عظیم تاریخی واقعات کو یاد رکھنا، قومی و مذہبی تہواریں منانا، مختلف معاملات میں تاریخ کی تحدید اور بعض عبادات و شرعی احکام کی ادائیگی تقویم کی مدد کے بغیر عمل میں نہیں آ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ نسل انسانی اپنی تاریخ کے ابتدائی دور ہی سے تقویم کا استعمال کرتی رہی ہے چنانچہ اولاد آدم نے حضرت آدم علیہ السلام کی اس دنیا میں آمد سے اپنی تقویم کو شروع کیا اور اسی واقعہ سے اپنی تاریخ شمار کرتے تھے۔ اس کے بعد کے ادوار میں اہم تاریخی واقعات سے تاریخ شمار کی جاتی تھی مثلاً طوفان نوح، آتش خلیل، زمانہ یوسف، حضرت موسیٰ کا بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے خروج، زمانہ داؤد، زمانہ سلیمان، زمانہ عیسیٰ علیہم السلام۔

بنو اسماعیل آتش خلیل، تعمیر کعبہ، معد بن عدنان، کعب بن لوی، واقعہ فیل سے حسب ترتیب اپنی تاریخ شمار کرتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل (ہاتھی کے سال) کو ہوئی۔

اس وقت کی رائج تاریخ واقعہ الفیل (۱) سے ہی شمار کی جاتی تھی۔ جب اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مدینہ میں کوئی تاریخ رائج نہ تھی، صحابہ کرام ہجرت کے اس واقعہ سے اپنی تاریخ ماہ بہ ماہ شمار کرنے لگے نیز سال کا شمار اس سال کے نام سے کرتے کیونکہ ہر سال کا نام اس سال میں پیش آنے والے کسی اہم واقعہ کی مناسبت سے رکھا جاتا تھا مثلاً سال ہجرت کا نام سنۃ الاذن بالرحیل دوسرے سال کا نام سنۃ الامر بالقتال تیسرے سال کا نام سنۃ الخیص اور اسی طرح چند اور سالوں کے نام بھی رکھے گئے پھر یہ سلسلہ منقطع ہو گیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت کا ابتدائی چار سال اس طرح گزرا کہ مسلمانوں میں کوئی تقویم رائج نہ تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور حکومت کے کاموں کو منظم طور پر انجام دینے کیلئے ایک تقویم کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی جس کے مطابق خلیفہ کے اوامر کی تنفیذ، مراسلت، وظائف کی تقسیم نیز دوسرے مالی امور انجام دیئے جاسکیں۔

گورنر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ کے خطوط ہمارے آتے ہیں اور اس پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی (جس سے اس کے رواگی کی تاریخ یا بعض دوسرے امور کی وضاحت ہو سکے) تقویم (تاریخ) کی ضرورت سے

(۱) گورنر یمن ابرہہ صبح کعبہ کو ڈھانے کے مقصد سے ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر مکہ روانہ ہوا اس لشکر میں نو یا تیرہ ہاتھی تھے، وادی حمر میں چڑیوں کے ایک جھنڈ نے اس لشکر پر ٹھیکری جیسے پتھر گرائے جس سے یہ لشکر ہلاک ہو گیا۔

متعلق ایک واقعہ یہ پیش کیا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صک (چک) آیا جس میں ادائیگی کا وقت شعبان درج تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کون سا شعبان وہ جس سے ہم گزر رہے ہیں یا وہ جو گذر گیا یا وہ جو آئندہ آئے گا۔

اسی مدت میں یمن سے ایک شخص حضرت عمر کے پاس آیا اس نے کہا کہ میں نے یمن میں دیکھا کہ لوگ تاریخ لکھتے ہیں کہ فلاں سال اور فلاں مہینہ، حضرت عمر کو تاریخ لکھنے کا یہ طریقہ بہت پسند آیا اور کہا کہ تم لوگ بھی اپنی تاریخ لکھو چنانچہ ربیع الاول ۱ھ کو حضرت عمر نے مہاجرین و انصار اور دوسرے اہم افراد کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں کی کوئی تقویم ہونی چاہئے چنانچہ تمام حاضرین نے اس سے اتفاق کر لیا پھر اس پر غور و خوض شروع ہوا کہ اس تقویم کا آغاز کب سے ہو بعض لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ اللہ کے رسول کے سال ولادت باسعادت سے، بعض نے کہا اللہ کے رسول جس سال نبوت سے سرفراز ہوئے اس سال سے یہ تقویم شروع ہو، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ اللہ کے رسول کی وفات کے سال سے اس کا آغاز ہو مگر حضرت عمر و حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے کہا ہجرت مدینہ کے واقعہ سے اسلامی تقویم شروع کی جائے اس لئے کہ ہجرت کا واقعہ اسلام و کفر کے درمیان فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہے۔ ہجرت کے بعد اسلام کا بولا بالا ہو گیا اور مسلمانوں کو نشان و شوکت نصیب ہوئی۔

جب حاضرین کا اس بات پر اتفاق ہو گیا تو اسلامی سال کس مہینہ سے شروع ہو اس پر بحث شروع ہوئی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رجب کے مہینہ سے اسلامی سال شروع کیا جائے اس لئے کہ یہ چار حرمت والے مہینوں میں سے پہلا مہینہ ہے بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ رمضان سے شروع کیا جائے مگر حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما نے کہا کہ محرم کے مہینہ سے اسلامی سال شروع کیا جائے اس لئے کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے اور سال کی ابتدا بھی اسی مہینہ سے ہوتی ہے اور فریضہ حج ادا کر کے لوٹنے کا یہ مہینہ ہے۔ حضرت عمر نے بھی اسی تجویز کی تائید کی، اسی پر اتفاق ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم صادر فرمایا اور تمام عالم اسلام میں یہ تقویم رائج ہو گئی۔

مورخ اسلام علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کے سال سے اس تقویم کا آغاز اس لئے کیا گیا کیونکہ اللہ کے رسول کی حیات مبارکہ چار اہم تاریخی واقعات پر مشتمل ہے۔ ولادت باسعادت، منصب نبوت سے سرفرازی، ہجرت مدینہ اور وفات۔ ولادت و بعثت کا سال مختلف فیہ ہے اور اللہ کے رسول کی وفات کی یاد باعث رنج و غم ہے اس لئے ان سے اسلامی تقویم کا آغاز غیر منطقی ہے، واقعہ ہجرت کو اسلامی تقویم کے آغاز کے لئے اسی لئے موزوں قرار دیا گیا، ہجرت کا واقعہ ربیع الاول کے مہینہ میں پیش آیا مگر اسلامی سال کا آغاز محرم سے اس لئے کیا گیا کیونکہ ہجرت کے عزم کی ابتدا محرم میں ہوئی تھی چونکہ دوسری بیعت (۱) کا واقعہ ماہ ذی الحجہ میں پیش آیا تھا اور یہ بیعت اس ہجرت کی تمہید تھی اس لئے بیعت اور ہجرت کے عزم کے بعد جو مہینہ شروع ہوا وہ محرم کا مہینہ تھا اس لئے مناسب تھا کہ اس کو اسلامی سال کا پہلا مہینہ قرار دیا جائے ہمارے شیخ (علامہ ابن حجر) فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق ماہ محرم سے اسلامی سال کے شروع کرنے کے بارے میں یہ سب سے مناسب توجیہ ہے۔ (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم

التاریخ ص ۷۹) ●●●

(۱) نبوت کے تیرہویں سال ۱۲ ذی الحجہ کو منی میں جمرہ عقبہ کے پاس پیچتر انصار نے اللہ کے رسول کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

## برائی کودل میں برا جاننے کی چند مثالیں

حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈاگری رحمہ اللہ

۱- حضرت عبداللہ بن عمر کے متعلق مسند احمد میں یہ روایت موجود ہے کہ آپ اپنے غلام نافع کے ساتھ کسی دوسری جگہ سفر فرما رہے تھے اثناء راہ میں ایک مقام پر چرواہے کی بانسری بجانے کی آواز آئی، فوراً کان بند کر لیا تھوڑی دیر بعد پوچھا کہ کیا اب بھی آواز آرہی ہے، معلوم ہوا کہ اب تک آواز سنائی دیتی ہے، آخر میں جب معلوم ہوا کہ بانسری کی آواز اب کانوں میں نہیں پہنچ رہی ہے تو آپ نے کھول لیا۔ (مسند احمد ج ۳)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے منہیات شرعیہ کودل سے برا جانا کیونکہ راستہ میں آپ کسی سفر میں جارہے تھے اور آواز کچھ فاصلے کی تھی تو نہ تغیر بالید کا موقع تھا، نہ تغیر باللسان کا لیکن چونکہ باجانے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے اس لئے انہوں نے اس آواز کے استماع کودل سے برا جانا اور کان بند کر کے اس پر عمل کیا۔ آج تمدن جدید کا شہروں میں یہ عالم ہے کہ قدم قدم پر سنیمہال اور سنیمہالوں کے آدمی تانگہ وغیرہ پر بیٹھ کر گانے باجے سناتے اور اشتہار تقسیم کرتے چلے جاتے ہیں اور مسلمانوں کا ہجوم ہر محلہ میں ان کا استقبال کرتا ہے۔

وائے گرپس امروز بود فردائے

۲- علامہ ابن الجوزی نے مشہور جلیل القدر تابعی سلیمان تیمی کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اپنے مرض الموت میں رونے لگے، لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا کہ میں موت کے خوف سے نہیں روتا ہوں، موت تو برحق ہے، آج نہیں تو کل روائگی بہر حال ہوگی، الحمد للہ میں نے زندگی میں کوئی گناہ نہیں کیا ہے، صرف ایک غلطی مجھے یاد آرہی ہے، اگر حق تعالیٰ اس کے متعلق مجھ سے پوچھے گا تو کیا جواب دوں گا، لوگوں نے پوچھا آخر کیا غلطی ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک بار ایک بدعتی کو راستہ میں مڈبھیڑ ہو جانے کے سبب سلام کر لیا تھا، چونکہ بدعتی کی تکریم شرعاً منع ہے، اس لئے اس غلطی اور اس کے بارہ میں باز پرس کے خیال سے سخت نادام ہوں اور قیامت کی ہولنا کیوں اور سختیوں کو سوچ کر مجھ پر بے اختیار گریہ وزاری طاری ہے۔

آپ نے دیکھا کہ انہوں نے اپنی غلطی (تکریم اہل بدعت) پر کس قدر شدت کے ساتھ افسوس کیا اور دل کی گہرائیوں

سے نفرت و بیزاری کے ساتھ ساتھ گریہ و ندامت کی کیا کیفیت ان پر طاری ہوئی، صدق من قال ے

اہل دل گریہ ندامت میں سیرا بر بہا کرتے ہیں

۳۔ مشہور جلیل القدر تابعی ابن سیرین کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو، آپ انتہائی خوبصورت اور نہایت شکیل و جمیل آدمی تھے، اپنی معاشی ضروریات اور گذر بسر کے لئے بزازی کا کام کرتے تھے، کپڑے کی تھان گردن اور پیٹھ پر لاد کر دیہات و قصبات میں گھوم گھوم کر اور آواز لگا لگا کر بیچا کرتے تھے، ایک بار آپ کا گذر ایک ایسے مکان پر سے ہوا جس میں ایک مالدار بیوہ عورت رہا کرتی تھی، اس نے دیکھا کہ یہ سوداگر بے حد حسین و شکیل ہے، اس نے اپنی خادمہ کے ذریعہ ان کو اندر بلا لیا، اور مختصر بات چیت کے بعد کہا کہ کل عمدہ عمدہ قسم کے کپڑے لے کر آئیں، چنانچہ آپ وقت موعود پر دوسرے دن تشریف لے گئے، عورت نے کپڑوں پر توجہ کے بجائے عشق بازی و محبت کے ناز و انداز سے کام لینا شروع کیا، آپ نے جب اس کو ارادہ بد پر آمادہ پایا تو اس سے قضائے حاجت کا بہانا کر کے آپ نے بیت الخلاء جانے کا ارادہ ظاہر کیا، اگرچہ کچھ حاجت پاخانہ کی نہ تھی لیکن شکل و صورت لباس وغیرہ کو بد نما کرنے کے لئے نابداں کا کچھڑ جوا دھر سے گذر رہا تھا اس کو اٹھا کر کپڑوں، چہرے، ہاتھ، پاؤں پر مل لیا اور اس ہیئت کدائی میں نکل کر اس کے سامنے آگئے، عورت کو اس صورت حال سے گھن آئی اور انہوں نے اپنی گٹھری کو اٹھا کر اس ترکیب سے اپنی پاکدامنی کو اس تردامنی کے ذریعہ سنبھالا اور جب مکان پر پہنچے تو اپنی بیوی کو سارا ماجرا اس نوگرفتاری و آزادی کا تمام حال سنایا۔ (سیر العلماء)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپ کو زنا جیسا امر منکر دل سے منکر و ناگوار نہ ہوتا تو آپ ایسے ناخوشگوار طریقے پر آمادہ نہ ہو سکتے چونکہ اس عورت پر تغیر بالید کا ضرور موقع نہ تھا، آپ کوئی کانسٹیبل یا داروغہ نہ تھے کہ کسی طاقت کا اس جگہ مظاہرہ فرما سکتے اور آپ نے اس کے بن ٹھن کے بیٹھنے اور عشق و فتن کی باتوں اور لگاؤ کے اندازوں سے یہ بھی اچھی طرح محسوس کر لیا کہ وعظ و پند اور مولویانہ نصیحت سے اس کا دل گناہ سے تائب اور امور آخرت کی طرف بظاہر حال راغب نہ ہو سکے گا، اس لئے نکیر باللسان کو غیر مفید سمجھ کر چھوڑ دیا، یا تیسری صورت انکا ر قلب کی تھی، چنانچہ آپ نے اس کی حرکت کو دل سے برا جانا اور اس سے بچ نکلنے کے لئے اس ناگوار شکل تک کو برداشت کر لیا۔



## وضو کے احکام و مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں

(۳)

مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی

مکتب دعوت و توعیۃ الجالیات، سعودی عرب

(۳) پورے سر کا مسح کرنا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ اور اپنے سروں کا مسح کرو۔  
عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر کا مسح اس طرح کیا کہ اپنے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے لے گئے اور پیچھے سے آگے لائے، یعنی پہلے سر کے اگلے حصے سے شروع کیا اور دونوں ہاتھوں کو گدی تک لے گئے، پھر جہاں سے شروع کیا تھا وہیں تک واپس لے آئے۔  
(بخاری، الوضوء باب مسح الرأس ح ۱۸۵، مسلم، الطہارۃ باب فی وضوء النبی ﷺ حدیث ۲۳۵)  
اور سر کے ساتھ کانوں کا بھی مسح کیا جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الْأَذْنَانِ مِنَ الرَّأْسِ“۔  
دونوں کانوں کا تعلق سر سے ہے۔ (ابن ماجہ، الطہارۃ، باب الاذن من الرأس ح ۴۴۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۸۱/۱، ح: ۳۶)  
کانوں کا مسح اس طرح کریں کہ شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخوں میں ڈال کر کانوں کی پشت پر انگوٹھوں کے ساتھ مسح کریں۔

جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کے وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی شہادت کی دونوں انگلیوں سے دونوں کانوں کے اندر اور اپنے دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے باہر کے حصے کا مسح کیا۔ (نسائی، الطہارۃ، باب من مسح الاذنین مع الرأس ح ۱۰۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے: صحیح النسائی ۴۳/۱)

(۴) ٹخنوں سمیت دونوں پیروں کو دھونا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَرْجُلُكَ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ اور ٹخنوں سمیت اپنے دونوں پاؤں کو دھلو۔  
نیز رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل سے بھی پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا ثابت ہے، جیسا کہ وضو کے بیان میں ان

احادیث کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

پاؤں کو دھوتے وقت پورے پاؤں کو ٹخنوں سمیت مکمل طور پر دھلا جائے، کوئی جگہ خشک باقی نہ چھوڑی جائے۔  
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ ہم سے بچھڑ گئے آپ ہم سے اس وقت ملے جب نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا اور ہم (جلدی جلدی) وضو کر رہے تھے اور پاؤں پر بس پانی مل رہے تھے (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے دو یا تین بار آواز بلند فرمایا:

”ویل للأعقاب من النار“ خشک ایڑیوں والوں کے لئے آگ سے خرابی ہے۔ (بخاری، الوضوء، باب غسل الرجلین ح ۶۰، ۱۶۳)

#### (۵) اعضاء وضو کو ترتیب وار دھونا:

اعضاء وضو کو ترتیب وار دھویا جائے کیونکہ اللہ نے اسے ترتیب وار بیان فرمایا ہے اور مسح کئے جانے والے اعضاء کو دھلے جانے والے اعضاء کے بیچ میں ذکر کیا ہے جس کا فائدہ ترتیب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی کیفیت سے ترتیب وار وضو کیا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ وضو سے یہ بات ظاہر ہے۔  
چنانچہ جس نے بلا ترتیب وضو کیا یا حوض یا سمندر میں ڈبکی لگا کر تمام اعضاء وضو کو ایک ہی بار دھولیا، اس کا وضو صحیح نہیں ہوا۔  
(۶) اعضاء وضو کو تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دھونا:

اعضاء وضو کے دھونے میں فاصلہ نہ کیا جائے یعنی ایک عضو کے دھونے کے بعد دوسرے عضو کو دھونے میں اتنی دیر نہ کی جائے کہ پہلا عضو خشک ہو جائے، بلکہ سبھی اعضاء تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دھوئے جائیں۔  
عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے قدم پر ناخن کے برابر جگہ خشک چھوڑ دی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: واپس جاؤ، اچھی طرح وضو کرو۔ (مسلم، الطہارۃ، باب وجوب استیعاب جمیع محل الطہارۃ ح ۲۴۳)

اور ابو داؤد کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس کے پاؤں کے پچھلے حصہ میں ایک درہم کے برابر خشک باقی رہ گئی تھی، وہاں پانی نہیں پہنچا تھا، تو آپ ﷺ نے اسے وضو اور نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب تفریق الوضوء ح ۵۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد: ۱/۳۶۷ ح ۱۶۱)  
چنانچہ اگر اعضاء وضو کے دھونے میں تسلسل لازم نہ ہوتا، تو آپ ﷺ صرف خشک جگہ کو دھونے کا حکم دیتے۔ (منار السبیل ۱/۳۷)

علامہ نمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اس حدیث میں اعضاء وضوء کے دھونے میں تسلسل کے واجب ہونے کی واضح دلیل ہے، کیونکہ کسی جگہ کے خشک رہ جانے پر پورے وضو کو دہرانے کا حکم تسلسل کے لازم ہونے ہی کی صورت میں ہوگا“۔ (عون المعبود ۲۳۲/۱)

چنانچہ اگر وضو کرنے والا وضو کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول ہوا، (مثلاً بات چیت کرنا وغیرہ) یہاں تک کہ دھلا ہوا عضو خشک ہو گیا، تو اس کا وضو باطل ہے، وہ از سر نو دوبارہ وضو کرے۔

لیکن اگر وضو سے متعلق کسی کام میں مشغول ہوا (مثلاً داڑھی کا خلال کرنا، پانی کو اچھی طرح اعضاء وضو تک پہنچانا، یا وضو کے کسی عضو سے میل یا گندگی کو زائل کرنا، یا مرض و سوسہ میں مبتلا شخص کا ایک عضو کو کئی بار دھونا وغیرہ) یہاں تک کہ دھلا ہوا عضو خشک ہو گیا، تو اس سے شرط موالاة (تسلسل) میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا، اس کا وضو صحیح ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامہ ۱۹۲/۱، الاقناع ۲۸/۱، کشاف القناع ۱۰۵/۱)

## (۶) وضو کے مسنونات:

وضو میں مندرجہ ذیل امور مسنون ہیں جن کا بندہ مسلم کو اہتمام کرنا چاہئے تاکہ اس کا وضو کامل طریقہ سے نبی ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق انجام پائے۔

### (۱) مسواک کرنا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل وضوء“۔

”اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا، تو میں انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دے دیتا“۔ (بخاری، الصیام، باب سواک الرطب واليابس للصائم ص ۳۱۰)

### (۲) وضو کے شروع میں دونوں ہتھیلیوں کا دھونا:

وضو شروع کرنے سے پہلے دونوں ہتھیلیوں کا دھونا مسنون ہے، لیکن اگر کوئی شخص نیند سے بیدار ہوا ہو، تو اس کے حق میں دونوں ہتھیلیوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا واجب ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب کوئی سوکراٹھے تو برتن میں اپنے ہاتھ نہ ڈالے، یہاں تک کہ اسے تین مرتبہ دھولے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔“ (بخاری، الوضوء، باب الاستجمار وترا، حدیث: ۱۶۲، مسلم، الطہارۃ، باب کراہۃ غسل المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہ فی الاناء قبل غسلہا ثلاثا، حدیث: ۲۷۸، الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

### (۳) چہرہ دھونے سے پہلے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا:

جیسا کہ عمرو بن یحییٰ کی روایت میں ہے: ”فمضمض واستنشق واستنثر من ثلاث غرفات“۔

کہ آپ ﷺ نے تین چلو پانی سے کلی کیا، ناک میں چڑھایا اور ناک جھاڑا۔ (مسلم ج: ۲۳۵)

(۴) گھنی داڑھی کا خلال کرنا:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو فرماتے تو ہتھیلی میں پانی لیتے اور اس کو اپنی ٹھوڑی میں داخل کرتے اور اپنی داڑھی کا خلال کرتے اور فرماتے میرے رب نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب تخلیل اللحية ج ۱۴۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۱۳۰۶ ج ۹۲)

☆ داڑھی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ہلکی داڑھی (۲) گھنی داڑھی

ہلکی داڑھی وہ ہے کہ جس کے اندر سے چہرہ کا چمڑا دکھائی دے رہا ہو۔  
گھنی داڑھی وہ ہے کہ جس کے اندر سے چہرہ کا چمڑا دکھائی نہ دیتا ہو۔  
چنانچہ ہلکی داڑھی کے اوپری اور اندرونی ہر ایک حصہ کو دھلا جائے اور گھنی داڑھی کے اوپری حصہ کو دھلا جائے گا اور اندرونی حصہ کا خلال کیا جائے گا اور اگر کسی نے خلال نہ کیا تو اس کا وضو صحیح ہے۔ (الشرح المختصر علی متن زاد المستقنع ۱۲۷/۱)

امام نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”اہل علم کے درمیان بغیر کسی اختلاف کے گھنی داڑھی کے ظاہری حصہ کو دھونا واجب ہے اس کے اندرونی حصہ اور اس کے نیچے چمڑے کو دھونا واجب نہیں ہے“۔ (المجموع ۴۳۴/۱)

امام مرداوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”گھنی داڑھی کے اندرونی حصہ کو دھونا واجب نہیں ہے“۔ (الانصاف فی معرفۃ الرائج من الخلاف ۳۳۸/۱)

فتویٰ کمیٹی سعودی عرب کے ایک فتویٰ میں کہا گیا ہے:

”گھنی داڑھی کے اندرونی حصہ اور اس کے نیچے کے چمڑے کو تو نہیں لیکن اس کے ظاہری حصہ کو دھونا واجب ہے، البتہ گھنی داڑھی کا خلال مشروع ہے اور ہلکی داڑھی جس سے اندر کا چمڑا دکھائی دے رہا ہو، اس کے اندرونی اور ظاہری حصہ ہر ایک کو دھونا واجب ہے۔“ (فتاویٰ اللجنة الدائمة ۲۰۷/۵)

معلوم ہوا کہ گھنی داڑھی کے اندرونی حصہ کو دھونا ضروری نہیں لیکن اس کا خلال کرنا مسنون ہے اور ہلکی داڑھی کے ظاہری اور اندرونی ہر ایک حصہ کو دھونا ضروری ہے۔

(۵) انگلیوں کا خلال کرنا:

لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أسبغ الوضوء واخلل بين الأصابع وبالغ في الاستنشاق إلا أن تكون صائماً۔“  
وضو مکمل کرو، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو اور اگر روزہ سے نہ ہو، تو ناک میں پانی خوب اچھی طرح چڑھاؤ۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب فی الاستنثار ح ۱۴۲، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، دیکھئے: فتح الباری ۳۱۵/۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد ۲۹/۱ ح ۱۲۹)  
ناک میں پانی خوب اچھی طرح چڑھانے کا مفہوم یہ ہے کہ سانس کے ساتھ پانی کو اس طرح کھینچا جائے کہ ناک کے آخری حصہ تک پہنچ جائے۔ (الانصاف ۱۳۱/۱)

لیکن روزہ کی حالت میں پانی ناک میں چڑھانے میں مبالغہ نہ کیا جائے کہ کہیں پانی حلق تک نہ پہنچ جائے۔  
(۶) اعضاء وضو میں دائیں کو بائیں سے پہلے دھونا:  
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إذا توضأت فابدؤوا بميامنکم۔“  
جب وضو کرو تو دائیں جانب سے شروع کرو۔ (ابوداؤد ۴۱۴۱، ترمذی ۶۶۱، ابن ماجہ ۴۰۲)  
نیز عائشہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جوتے پہننے، کنگھی کرنے، طہارت کرنے اور تمام (اچھے) کاموں میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے۔ (بخاری، الوضوء، باب التیمن فی الوضوء والغسل ح ۱۸۸، مسلم، الطہارۃ، باب التیمن فی الطہور وغیرہ، ح ۲۶۸)  
(۷) اعضاء وضوء کو اس کے واجبی حد سے زیادہ دھونا:

نعم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ پھر اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے قریب تک دھوئے، پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے، یہاں تک کہ پنڈلیوں تک پہنچا دیا، پھر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے:  
”ان أمتی یأتون یوم القيامة غرا محجلین من أثر السجود فمن استطاع منکم أن یطیل غرته فلیفعل۔“

”میری امت کے لوگ قیامت کے روز وضو کے نشان کی وجہ سے سفید منہ اور سفید ہاتھ پاؤں والے ہو کر آئیں گے، لہذا جو شخص اپنی سفیدی اور چمک کو زیادہ کرنا چاہے تو وہ (اپنے چہرہ اور ہاتھ و پاؤں واجبی حد سے زیادہ دھل کر) اپنی سفیدی اور چمک کو زیادہ کرے۔“ (صحیح مسلم، الطہارۃ، باب استحباب اطالة الغرة واجتیل فی الوضوء، ح ۵۸۰، بخاری، الوضوء، باب فضائل الوضوء والغراجلون من آثار الوضوء ح ۱۳۶)

(۸) اعضاء وضوء کو ملنا:

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس دو تہائی (۳/۲) مد پانی لایا گیا، آپ ﷺ نے

وضو کیا، وضو کرتے ہوئے آپ اپنے دونوں بازوؤں کو مل رہے تھے۔ (مستدرک حاکم ۲۴۳۱ ح ۵۰۹، ابن خزیمہ ۶۲۱ ح ۱۱۸)

(۹) اعضاء وضو کو ایک بار سے زیادہ دو یا تین بار دھونا:

چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کو ایک بار سے زیادہ دو یا تین بار دھونا مسنون ہے۔

(۱۰) وضو کے بعد دعا پڑھنا۔

(۱۱) وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھنا۔

(۷) وضو کے مکروہات:

وضو میں کچھ امور مکروہ ہیں جن سے بندہ مسلم کو بچنا چاہئے تاکہ اس کا وضو سنت نبوی کے مطابق انجام پائے۔

(۱) ایک یا اس سے زائد سنتوں کو چھوڑ دینا:

ایک یا اس سے زائد سنتوں کو چھوڑ دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ عبادت میں کمی اور اجر و ثواب کے فوت ہونے کا سبب ہے۔

(۲) گندی جگہ پر وضو کرنا:

کسی ایسی گندی جگہ پر وضو کرنا مکروہ ہے کہ گندگی کے جسم پر آجانے کا اندیشہ ہو۔

(۳) پانی کے استعمال میں فضول خرچی کرنا:

پانی کے استعمال میں فضول خرچی کرنا مکروہ ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ”مد“ پانی سے وضو فرمایا۔

انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل فرماتے تو ایک صاع پانی سے لے کر پانچ مد تک خرچ

کرتے تھے اور ایک ”مد“ پانی سے وضو کر لیا کرتے تھے۔ (بخاری، الوضوء، باب الوضوء بالمد ۲۰۱، المسلم، الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة: ۳۲۵)

امام بخاری رحمہ اللہ وضو کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں:

علماء نے (وضو میں) پانی کا اسراف اور آپ ﷺ نے جتنا کیا اس سے زیادہ کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔ (بخاری، الوضوء)

☆ مد کا معنی:

عہد نبوی کا ایک پیمانہ جو لکڑی سے بنایا جاتا تھا اور وہ چوتھائی صاع کے مساوی ہوتا تھا اور ایک صاع دو کلو چوبیس گرام

غلہ کے مساوی ہوتا ہے، اس طرح ایک مد غلات میں ۸.۱۲ (آٹھ سو بارہ گرام) گیہوں اور بننے والی چیزوں میں تقریباً چھ سو

گرام کے مساوی ہوگا۔ (الآئیت والاوعیۃ المستحدمة فی العہد النبوی للدکتور محمد بن فارس الجلیل ص ۱۶۶)

القاموس المحیط میں ہے کہ ”مد“ اس کو کہتے ہیں کہ متوسط قد و قامت کا انسان جب اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پھیلا کر کسی چیز

سے بھر لے، تو اسے ”مد“ کہا جاتا ہے۔ (القاموس المحیط ۷/۲۰۷)

(جاری)

## مصنف دیوان گلشن ہدایت..... مولانا ابوالخیر صاحب جھمکاوی

(۹)

مولانا محمد حنیف مدنی

مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

مولانا ابوالخیر صاحب جھمکاوی امام المناظرین مولانا عبدالرشید صاحب کے دوسرے فرزند تھے اور مولانا ابوسعید صاحب جھمکاوی کے سگے بھائی ہیں، آپ کی ولادت شہر دہلی محلہ پہاڑ گنج میں ۱۲۷۵ھ کو ہوئی، ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والدین سے حاصل کی، چونکہ آپ کی والدہ عالمہ تھیں، اس وجہ سے آپ کی نشوونما ہمہ وقت علمی شجر کے زیر سایہ ہوئی، جب آپ کو مزید علم کا شوق پیدا ہوا اور بڑے بڑے مشائخ کے سامنے بیٹھنے اور اخذ علم و ادب کا ڈھنگ ہوا تو آپ نے شیخ الکل فی الکل شمس العلماء شیخ العرب والعم علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور ہر طرح کے علوم و فنون کی تحصیل کر کے اپنے وطن مالوف جھمکا تشریف لائے اور اپنے بڑے بھائی مولانا ابوسعید صاحب کے ساتھ مدرسہ دارالسلام سکفا کی تعمیر و ترقی میں لگ گئے، آپ بہت بڑے مدرس تھے، آپ تالیست اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، آپ امام بخاری کی معرکتہ الآراء کتاب الجامع الصحیح کا درس بہت ہی دلنشین انداز میں دیتے اور طلبہ کی دلی تسکین کا سامان فراہم کرتے، آپ سے خلق کثیر نے اخذ علم اور اکتساب فیض کیا ہے جن میں سے مولانا عبدالباری صاحب جھمکاوی، مولانا عبدالستار صاحب جھمکاوی، مولانا بدر الدین صاحب جھمکاوی، مولانا عبدالمنان صاحب جھمکاوی، مولانا ریاض احمد صاحب جھمکاوی، مولانا ریاض الرحمن صاحب جھمکاوی اور مولانا سادات علی صاحب جھمکاوی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

علوم کتاب و سنت کا یہ سپاہی مذہب اسلام و مسلمانوں کی خدمت بزبان و قلم ادا کر رہے تھے کہ ۱۳۵۹ھ کو ضلع مغربی چمپارن کی مشہور بستی جھمکا میں آپ کی وفات ہو گئی اور اس طرح آپ عالم بقاء کو سنوار گئے۔

آپ نے اپنے پیچھے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں چھوڑیں لڑکیوں کے اسماء علی الترتیب یہ ہیں: (۱) سرفراز النساء اور (۲) سراج النساء، اور لڑکے کا نام رشید احمد ہے۔

## تصنیفی خدمات:

سیاہ تارہ: خطرہ قیامت کی گھنٹی یا انقلاب کا پیغام (ایک ہولناک پیشین گوئی)  
یہ ۴۷ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ہے جو حضرت مولانا ابوسعید صاحب کی نگرانی میں چھپا ہے، اس رسالہ میں اس  
پیشین گوئی کے تاویلی معنی و مفہوم پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور یہ کتاب متوسط سائز میں ہے۔

(نوٹ) دونوں بھائی یعنی مولانا ابوسعید صاحب اور مولانا ابوالخیر صاحب زبردست عالم دین تھے، مجموعی کمالات  
کے اعتبار سے سرزمین چمپارن میں یہ اپنی مثال آپ تھے، بڑے ہی اتحاد و اتفاق کے ساتھ انہوں نے اپنی زندگی بسر کی، عرصہ  
تیس سال تک دونوں بھائیوں نے گراں قدر تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور تبلیغ و ہدایت کا کام انجام دیا، درس و تدریس  
کے سلسلے میں مدرسہ دارالسلام سکھایا دگا چھوڑا، اور اسی مدرسہ کو انجمن بھی بنا رکھا تھا، جس کے تحت انہوں نے علمی و فنی سلسلے  
میں متعدد کتابیں تالیف و تصنیف کیں، پھر ۱۹۵۵ء میں اس دارفانی سے کوچ کر گئے اور ہمیشہ کے لئے رحمت الہی کے آغوش  
میں میٹھی نیند سو گئے۔

واضح ہو کہ اس انجمن کی طرف سے جو کتاب بھی تیار ہوتی، اس کی تالیف و تصنیف میں دونوں بھائیوں کی رائے  
و مشورہ کا دخل ہوتا، اگرچہ تحریر جس کی بھی ہوتی، اسی لئے ان کتابوں کو دونوں کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

میری نظر سے ان کی تین کتابیں گزری ہیں، (۱) النظر فی الحدیث، اس کے مقدمہ کے اخیر میں دونوں بھائیوں کے  
نام ہیں، (۲) دھرم کیا ہے؟ مولفہ: مولانا ابوسعید صاحب (۳) سیاہ تارہ، مولفہ: مولانا ابوالخیر صاحب۔☆☆☆

## التماس

معزز قارئین کرام!

دارالتالیف جامعہ سلفیہ بنارس سے نکلنے والا آپ کا پسندیدہ مجلہ ”محدث“ آپ حضرات کے تعاون  
سے برسوں سے شائع ہو رہا ہے اور خلق کثیر اس سے مستفید ہو رہی ہے، لہذا تمام خریداران محدث سے  
التماس ہے کہ جن حضرات کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے اپنے اشتراک نمبر کے ساتھ بقایا اور تجدید کے  
لئے رقم ضرور ارسال فرمائیں۔

مجھے امید ہے کہ دینی و تعلیمی نقطہ نظر سے ہمیں آپ کا تعاون ملے گا تاکہ ہم محدث کو برابر جاری

(ادارہ)

رکھ سکیں۔ والسلام



## اخبار جامعہ

### الشیخ ابو خالد ناصر السعید حفظہ اللہ کی جامعہ سلفیہ بنارس میں تشریف آوری

بتاریخ ۲۳/۱۲/۲۰۰۸ء مطابق ۲۵/۱۲/۱۴۲۹ھ بروز بدھ بوقت دوپہر دو بجے فضیلۃ الشیخ ابو خالد ناصر السعید حفظہ اللہ بغرض زیارت جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لائے۔

آپ کویت کا ایک مشہور رفاہی ادارہ الہدیۃ الخیریۃ الاسلامیۃ العالمیۃ کے ایک ذمہ دار فرد و رکن ہیں، اور رفاہی و خیری امور میں دلچسپی رکھتے ہیں، آپ کے اعزاز میں جامعہ سلفیہ کے لکچر ہال میں ایک استقبالیہ پروگرام منعقد کیا گیا جس میں جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ نے مہمان گرامی شیخ ابو خالد ناصر السعید حفظہ اللہ کی تشریف کا شکریہ ادا کیا اور انہیں ترحیمی کلمات سے نوازا، تمام تعلیمی سرگرمیوں نیز دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف و دیگر نمایاں نشاطات سے واقف کرایا۔

آخر میں مہمان عزیز الشیخ ابو خالد ناصر السعید حفظہ اللہ نے خطاب کیا جس میں اپنی آمد کے مقصد، گرم جوش استقبال کا شکریہ، جامعہ کی خدمات کا اعتراف اور اس کی ترقی کے لئے دعا کی۔ اس کے بعد فضیلۃ الشیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ استاذ جامعہ سلفیہ نے شکریہ کے کلمات کے ساتھ اختتام مجلس کا اعلان کیا۔

## اپیل

معزز مضمون نگاران!

جامعہ سلفیہ بنارس کا ترجمان ماہنامہ ”محدث“ میدان صحافت میں برسوں سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہے، اور ادارہ ہمیشہ اس بات کے لئے کوشاں رہتا ہے کہ معتبر اور مفید تحریریں اس پرچہ کی زینت بنیں۔ اس لئے ادارہ آپ سے یہ گزارش کرتا ہے کہ آپ اپنی نگارشات سے نوازیں، ان شاء اللہ آپ کی فاضلانہ تحریریں حتی الامکان قریبی شمارہ میں شامل اشاعت کی جائیں گی اور ادارہ آپ کا ممنون و مشکور ہوگا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے قلم میں زور اور برکت عطا فرمائے، آمین۔

(ادارہ)

## باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) شرعی اعتبار سے ماہ محرم اور یوم عاشوراء کی کیا اہمیت وخصوصیت ہے؟ اور اس میں روزہ رکھنے کی کیا فضیلت ہے؟

(۲) اس ماہ محرم میں جو نوحہ اور ماتم کیا جاتا ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

قرآن وحدیث کی رو سے جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

**الجواب بعون اللہ الوہاب ومنہ الصدق والصواب:**

(۱) ماہ محرم عظیم الشان اور مبارک مہینہ ہے، یہ ہجری سال کا پہلا مہینہ اور حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے، اللہ رب العالمین کا ارشاد گرامی ہے: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حَرَمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقِيمَ فَلَا تَظْلَمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ (التوبة: ۳۶) بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک لوح محفوظ میں بارہ ہے، اور یہ اس دن سے ہے جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت وادب کے ہیں، یہی مضبوط دین ہے، لہذا تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

یعنی ابتداءً آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، حرمت والے چار مہینے وہ ہیں جن کو اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں واضح طور پر فرما دیا ہے: ”السنة اثنا عشر شهرا منها أربعة حرم: ثلاثة متواليات: ذو القعدة، وذو الحجة، والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان“ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب سورة التوبة) ظلم تو سال کے بارہ مہینوں اور ہر دن میں ممنوع ہے، لیکن ان چار مہینوں کی عزت وحرمت اور ان کے تقدس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ﴿فَلَا تَظْلَمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ خاص طور پر ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے منع کر دیا۔

اس ماہ میں عام عبادات کے علاوہ نفلی روزوں کی بڑی فضیلت حدیثوں میں بیان کی گئی ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ”أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم، وأفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل“ (صحیح مسلم، کتاب الصوم، باب فضل صوم المحرم ح: ۱۱۳۶) یعنی رمضان کے بعد سب سے افضل روزے ماہ محرم کے روزے ہیں جو کہ اللہ کا مہینہ ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز ہے۔

خاص طور پر یوم عاشوراء (دس محرم) کا روزہ ضرور رکھنا چاہئے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں رہے مسلسل اس دن کا روزہ رکھتے رہے، پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں بھی آپ اس دن کا روزہ رکھتے تھے، اور صحابہ کرام کو اس کا حکم دیا کرتے تھے، اس کے بعد جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صیام عاشوراء: ۲۰۰۱، ۲۰۰۳، صحیح مسلم، الصیام، باب فضل صوم یوم عاشوراء: ۱۱۲۵)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: ”ما رأیت النبی ﷺ یتحرى صیام یوم فضله علی غیرہ الا هذا الیوم عاشوراء، وهذا الشهر یعنی شہر رمضان“ یعنی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کسی ایک دن کو دوسرے دنوں پر فوقیت دیتے ہوئے اس کے روزے کا قصد کرتے ہوں سوائے یوم عاشوراء کے اور سوائے ماہ رمضان کے“۔ (بخاری، الصوم، باب صیام عاشوراء، ج: ۲۰۰۶، مسلم: ۱۱۳۲)

حضرت ربیع بنت معوذہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے ارد گرد بسنے والی بستیوں میں یہ حکم بھیجا کہ بستیوں والے یوم عاشوراء کا روزہ رکھیں..... الخ.....“ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۳۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ میں آئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ ایک عظیم دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا، چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اسی دن کا روزہ شکرانے کے طور پر رکھا، اس لئے ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

”فمن أحق وأولی بموسیٰ منکم“ تب تو ہم زیادہ حق رکھتے ہیں اور تمہاری نسبت ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری، الصوم، باب صیام عاشوراء: ۲۰۰۴، مسلم: ۱۱۳۰)

یوم عاشوراء کے روزہ کی بہت بڑی فضیلت ہے، چنانچہ حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یوم عاشوراء کے روزے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یکفر السنة الماضية“ (مسلم ج: ۱۱۶۲) یعنی ”پچھلے ایک سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے“۔

یوم عاشوراء کے روزے رکھنے میں یہودی کی مخالفت بھی ہونی چاہئے، چنانچہ آپ ﷺ کو جب یہ بتلایا گیا کہ یہود ونصاری بھی دس محرم کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے اس میں ان کی مخالفت کرنے کا عزم کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے ان کی مخالفت کی غرض سے یہ عزم فرمایا: ”فیذا کان العام المقبل إن شاء الله، صمنا الیوم التاسع“ یعنی جب آئندہ سال آئے گا تو ان شاء اللہ ہم نو محرم کا روزہ بھی

رکھیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ”اگلا سال آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔“ (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب آی یوم یصام فی عاشوراء، رقم الحدیث: ۱۱۳۴)

اس لئے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرتے ہوئے نو دس محرم دو دنوں کا روزہ رکھنا چاہئے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی اس روایت میں اس کا حکم دیا گیا ہے: ”صوموا یوم عاشوراء، وخالفوا فیہ الیہود، وصوموا قبلہ یوماً أو بعدہ یوماً“ (مسند احمد ۲۴۱/۱) اور حضرت ابن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ: ”خالفوا الیہود وصوموا التاسع والعاشر“ (مصنف عبد الرزاق: ۷۸۳۹، المبیہقی ۲۸۷/۲، باسناد صحیح)

بعض علماء کرام نے حضرت ابن عباسؓ سے مروی مسند احمد کی مذکورہ روایت پر کلام کیا ہے۔ (دیکھئے: ضعیف الجامع ۳۵۰۶، مجمع الزوائد ۱۸۸/۳) بہر حال ہمارے نزدیک صحیح احادیث و اقوال صحابہ کے پیش نظر دسویں محرم کے ساتھ ساتھ نویں محرم کا روزہ رکھنا بہتر ہے۔

(۲) ماہ محرم ہو یا غیر محرم اس میں نوحہ و ماتم کرنا حرام و ناجائز ہے، نوحہ و ماتم کو اللہ کے رسول ﷺ نے جاہلیت کے کاموں میں شمار کیا ہے اور اس کی سخت و شدید وعید بیان کی ہے۔ (صحیح مسلم، الجنائز، باب التشدید فی النیاحۃ: ۹۳۴) آپ ﷺ نے نوحہ و ماتم کرنے والے شخص سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا ہے: ”لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاہلیۃ“ (صحیح بخاری، الجنائز، ج: ۱۲۹۴) اسی معنی و مفہوم کی ایک روایت حضرت ابو بردہ بن ابوموسیٰ الاشعریؓ سے بھی مروی ہے۔ (صحیح بخاری، الجنائز، باب ماتمہ عن الخلق عند المصیبة: ۱۲۹۶، مسلم، الایمان، باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب: ۱۶۷)

تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ماتم اور سینہ کو بے کرنا حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان اعمال سے اور ان اعمال کے کرنے والوں سے براءت اور لاتعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔ لہذا تمام مسلمانوں کو اس سے باز آ جانا چاہئے اور فوری طور پر ان سے سچی توبہ کرنی چاہئے۔

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم  
حررہ: ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی  
جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

الجواب صحیح  
محمد رئیس ندوی  
جامعہ سلفیہ بنارس